"لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ"

ترجمہ: نہ غلو کرو اپنے دین میں۔

راہِ اعتدال

محمد یونس خان

ناشر: انجمن صوت القرآن

آزاد کشمیر، پاکستان و برطانیہ

"لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ"

ترجمہ: نہ غلو کرو اپنے دین میں۔

راہِ اعتدال

محمد یونس خان

ناشر: انجمن صوت القرآن

آزاد کشمیر، پاکستان و برطانیہ

انتساب

اس مختصر سی تحریر کو خالق کائنات کے نام منسوب کرتا ہوں جو متلاشیانِ حق کی راہنمائی کے لیے اسباب پیدا کرتا رہتا ہے۔اس کی بارگاہ صمدیت سے اعلان ہوتا ہے اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡهُدٰی اور پھر فرمانِ ذیشان ہے" وَهُوَ یَهۡدِی السَّبِیۡلَ "مالکِ ارض وسماء اسے شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے نافع بنائے۔

محمد یونس خان

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	لفظ اللہ	1
2	علمِ غیب	3
3	حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	7
4	نور و بشر	10
5	بشریت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	12
6	حاضر و ناظر	13
7	تخلیقات پر شاہد ہونا	16
8	استمداد	17
9	قبور و مزارات کی زیارت	19
10	ایصالِ ثواب	21
11	میلاد	22
12	عرس	24
13	دور دراز سے کسی زندہ یا فوت شدہ کو پکارنا	25
14	تعظیم و عبادت	26
15	نسبتِ مجازی	27
16	نعت	29
17	ادائیگی نماز	31
18	دعائے مغفرت	32

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
19	تعزیت اور دعائے مغفرت	32
20	درود شریف	32
21	محبتِ اہل بیت	35
22	پنج تن، بارہ امام اور چودہ معصوم	39
23	اولیاء الرحمٰن من آیات القرآن	42
24	بیعت و طریقت	47
25	مشیت و رضا	49
26	تقدیر کا بہانہ	51
27	دین	52
28	نبوت اور اعلان نبوت	52
29	کلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	54
30	حضرت جبرائیل امین اور نبی پاک ﷺ	56
31	کیا شیطان معلمِ ملائکہ تھا؟	56
32	وہبی نبوت	57
33	حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام	57
34	نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو	58
35	شرح اور شق	59
36	لفظ سید	59

﴿لفظ اللہ﴾

اللہ۔اسمِ ذات ہے یہ نام اس ہستی پر بولا جاتا ہے جس میں کمال، برتر واعلیٰ صفات ہوں، کوئی گھٹیا اور بُری صفت نہ ہو جیسے ظلم، خوف، بے انصافی، جہالت، جھوٹ، فریب، داؤ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے لہذا مخلوق والی صفات اس کے کھاتے میں ڈالنا اور اس کو "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٍ" مانتے ہوئے، بُری صفات بھی قدرت کے تحت لا کر اس میں منوانے کی کوشش کرنا ظلم عظیم ہے۔

جیسا کہ امکان کذب کا موضوع چلایا گیا ہے، بری عادات وصفات کو اللہ تعالیٰ پسند ہی نہیں کرتا۔لہذا اسکی قدرت کے تحت جان کر اسمیں بیان کرنا کم فہمی اور گمراہی ہے، بعض لوگ ظلم، جہل اور بے انصافی وغیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ سے کر دیتے ہیں، یہ جہالت و بے دینی ہے، ایسے لوگ اگر توبہ کر کے کلمہ شریف نہ پڑھیں تو دنیا سے بے ایمان ہی جائیں گے۔بعض حضرات نے "اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش" پر طبع زاد مضامین لکھے ہیں۔جن سے اللہ تعالیٰ اعلیٰ اور پاک ہے۔

بعض تحریراً اور بعض تقریراً، لکھتے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جب چاہے جان لے۔گویا اللہ تعالیٰ پہلے نہیں جانتا تھا اور بعض اللہ تعالیٰ کی سماعت پر لکھتے ہوئے اور بولتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ دور ونزدیک سے اللہ تعالیٰ ہی سنتا ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

"وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" (البقرۃ:186)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔

کیونکہ "وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ" (الحدید:04)

وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔ساتھ ہو کر کتنا قریب ہے

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" (ق:16)

ہم تو اسکی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔

جو اتنا قریب ہے اسے دور سے سننے والا کہنا پتہ نہیں کون سا علمی نقطہ ہے دور سے اسکی عطاء واذن سے اسکے بندے سنتے ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام بطور معجزہ اور اولیاء بطور کرامت

جیسا کہ قرآن پاک اور احادیث سے ثابت ہے۔ سب جانتے اور مانتے بھی ہیں مگر جن جن سے عقیدت رکھتے ہیں۔ اِس پر تمام مکاتبِ فکر کی کتب شاہد ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، احکام اور عبادت میں اکیلا اور یکتا ہے۔ کوئی اسکا شریک نہیں ہے۔ لہذا جہاں جہاں جس کسی سے کوئی غلطی ہوئی ہے آج توبہ کر کے رجوع کر لے ورنہ قیامت کو کوئی تاویل نہیں چل سکے گی۔ اپنے اپنے بزرگوں کی غلطیوں پر ڈٹنا اور ان پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں پر فتوے داغنا پتہ نہیں دین کی کون سی خدمت ہے ہمیں تو کافروں کو مسلمان بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' (آل عمران :110) نہ کہ مسلمانوں کو کافر بنانے کی، آج مسلمانوں کے پاس بحث ومناظرے کے لئے رہ گئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریم جن کے آداب سکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' (الحجرات:02)

کہ سرکار کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور نہ ہی سرکار کی شان میں ذو معنیٰ لفظ استعمال کرو کہ جس سے کوئی گڑبڑ پیدا کر لی جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ہی حبط (ضائع) ہو جائیں اور تمہیں شعور ہی نہ ہو۔ آج ہماری مجلسوں اور مسجدوں میں بحثیں اور تقریریں ہی علمِ غیب، حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نور و بشر، حاضر و ناظر وغیرہ پر ہو رہی ہیں چونکہ گروہ بندیاں ہو چکی ہیں لہذا جس گروہ کے بزرگوں نے جو کچھ کہہ دیا ہے، خواہ وہ صحیح ہے یا غلط، اسی پر ڈٹنے اور مضبوط یا کمزور دلائل جو کچھ بھی ہیں ان کے ساتھ، بزرگوں کا دفاع کیا جاتا ہے۔

کلمہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑھتے ہیں مگر دفاع بزرگوں کا کرتے ہیں۔ اگر حقیقت میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اللہ مانتے ہیں، تو ایک نہیں تمام بزرگ سرکار کی عظمت و ناموس پر قربان کیے جا سکتے ہیں۔ مگر ایک اصول بنا لیا گیا ہے کہ خطاء بزرگاں گرفتن، خطاء است، لہذا سرکار کی شان میں بے شک غلطیاں ہوتی رہیں، مگر بزرگوں کی غلطی کو غلطی مانا ہی نہیں، چاہے دور از کار اور لایعنی تاویلیں

کرنی پڑیں، یادرکھیں، بزرگ، بزرگ ہی ہیں اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے مگر خطاء، خطاء ہے۔لہذا خطاء کو چھوڑ دو تا کہ کل سرکار کو منہ دکھا سکیں۔

اب ان مضامین کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں رکھ کر اپنی اپنی غلطیاں تلاش کر کے چھوڑنی ہیں۔

''تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ'' (آل عمران:64)

کے تحت جو جو گروہ ضروریات دین میں متفق ہیں، فروعات میں اپنے اپنے دلائل پر رہتے ہوئے ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا چھوڑ دیں تو امت میں اتحاد کی راہ ہموار ہو سکتی ہے، مکاتبِ فکر کو فرقوں میں بانٹنے سے ہر کسی کو پرہیز کرنا چاہیے۔فرمانِ باری تعالیٰ سامنے رہنا چاہیے ''وَلَا تَفَرَّقُوْا'' کہ تفرقہ بازی نہ کرو۔

﴿علمِ غیب﴾

اکثر علمِ غیب کو موضوع بنایا جاتا ہے۔علمِ غیب اس علم کو کہا جاتا ہے جو ذاتی ہو ذرائع اور وسائل سے حاصل ہونے والا نہ ہو یعنی نہ عقل و حواسِ خمسہ سے حاصل ہو سکتا ہو اور نہ کسی سے دوسرے علم کی طرح سیکھا جا سکتا ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

''قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ'' (النمل:65)

کہہ دیجیے، نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے غیب، سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

لہذا عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔غیب میں چونکہ غائب کے معنی بھی پائے جاتے ہیں لہذا جن چیزوں کو ابھی وجود ہی نہیں ملا، منصۂ شہود پر آئی ہی نہیں، انکا بھی، اور جنہیں وجود تو مل چکا ہے، مگر لوگوں سے پوشیدہ ہیں، انکا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور لوحِ محفوظ میں درج ہیں۔

''وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ'' (النمل:75)

اور ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ'' (آل عمران:5)

بے شک اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

اس معنی میں اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کیسے کہا جا سکتا ہے جب کہ ہر چیز اس پر عیاں ہے۔ چیزوں کو جب وجود ہی نہ ملا ہو تو وہ جانتا ہے، تو وہ انہیں وجود میں آ جانے کے بعد کیسے نہ جانے، تو یہاں لوگوں سے پوشیدہ چیزوں کو جاننے کے معنی میں ہے، اب واضع ہو گیا کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب پر کسی کو اظہار و مطلع کیا ہے۔

''عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ'' (الجن:27)

غیب کا جاننے والا اظہار نہیں کرتا اپنے غیب پر سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'' (البقرۃ:03)

نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ مطلع کرے تمہیں غیب پر، لیکن اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ غیب پر براہ راست مطلع نہیں کرتا بلکہ وہ رسولوں کو حسبِ ضرورت مطلع کرتا ہے اور پھر رسول اپنے اپنے ادوار میں اپنی امتوں کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔

متقین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' (البقرۃ:3)

جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں انہیں غیب پر آگاہ کرنے والا کون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان آیات سے واضع ہوا کہ

عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطلع علی الغیب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی انباء الغیب (غیب کی خبریں) پہنچائی جاتی ہیں۔ خبر بھی علم کا ذریعہ ہے،

''تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا'' (ہود:49)

یہ غیب کی خبریں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کرتے ہیں اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کی قوم کو انکا علم نہیں تھا۔

کیا اس طرح اظہار ہو جانے کے باوجود اس پر غیب کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

''وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ'' (التکویر:24) اور نہیں ہے وہ غیب بتانے میں بخیل۔

یعنی تبلیغ و ارشاد کے سلسلہ میں جن غیوب پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو بتانے میں بخیل نہیں تھے۔ یہی وہ علمِ غیب ہے۔ جو انبیاء کو بذریعہ وحی، الہام، القاء عطاء کیا جاتا ہے۔ اور انکے توسط سے انکے متبعین اولیاء کو بذریعہ الہام و القاء اور کبھی بذریعہ فرشتہ بھی پیغام ملتا ہے جیسا کہ حضرت مائی مریم رضی اللہ عنھا کو بذریعہ جبرائیل امین پیغام دیا گیا۔

''فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا'' (مریم:17)

پس ہم نے بھیجا طرف اسکی اپنی روح کو (جبرائیل امین) تو متمثل ہو گیا اس کے لئے بشر کے ٹھیک ٹھاک۔

''قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا'' (مریم:19)

تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ستھرا بیٹا عطاء کروں۔

آل عمران 145 اور حضرت زکریا علیہ السلام کو:

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، (آل عمران:39)

بے شک اللہ تعالیٰ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى (مریم:7)

اے زکریا! ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں بیٹے کی نام ہے اس کا یحییٰ،

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت مائی سارہ رضی اللہ عنھا:

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ، (الذریٰت:28) اور ان کو ایک دانش مند بیٹے کی بشارت دی۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (سورہ ہود:71)

پس خوشخبری دی ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ، (سورہ الحجر:53)

ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھے علم والے بیٹے کی۔

یہ تھی بیٹوں سے متعلق خوشخبری اب عذاب کے متعلق ابراہیم علیہ السلام کو:

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (ھود:70)

بولے نہ خوف کھا ہم بھیجے گئے ہیں طرف لوط کی قوم کے۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ (الحجر:58)

ہم بھیجے گئے ہیں طرف مجرموں کی قوم کے۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کو:

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ (ہود:81)

بولے اے لوط! ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب ہرگز نہیں پہنچیں گے تجھ تک۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ (الحجر:61تا65)

پس جب آئے لوط کے گھرانے والوں کے پاس بھیجے ہوئے۔ کہا بیشک تم لوگ ہو اوپرے۔ کہا بلکہ لائے ہیں ہم تیرے پاس جو کچھ کہ تھے اس میں شک کرتے۔ اور آئے ہیں تیرے پاس ساتھ حق کے اور بیشک ہم سچے ہیں۔ پس لے نکل اپنے اہل وعیال کو رات کے حصے میں اور پیچھے چل ان کے، اور نہ مڑ کر پیچھے تم میں سے کوئی دیکھے اور چلے جاؤ جہاں حکم دیئے گئے ہو۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کو:

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (ھود:37) بے شک انہیں غرق ہونا ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی غرقابی کے متعلق:

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ، وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ (الدخان:23,24)

پس لے نکل میرے بندوں کو رات کو، بیشک تم پیچھا کیے جاؤ گے۔ اور چھوڑ دو دریا کو ساکن

(خشک) بیشک وہ ہیں لشکر غرق ہونے والے۔

جن ذرائع سے ان مقبولان بارگاہِ خداوندی کو عطاء کیا جاتا ہے وہ ہیں غیب کی چابیاں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جس کے لیے چاہتا ہے جو چابی چاہے لگا کر مطلع کر دیتا ہے۔

عِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ، (الانعام:59) اس کے پاس ہیں غیب کی چابیاں۔

یہ چابیاں اس نے کسی کے حوالے نہیں کر دیں کہ جب چاہیں لگا کر معلوم کر لیں لہذا یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے علم میں صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے، غیر قرآنی عقیدہ ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ علمِ ظاہر اور غیب سے نوازا ہے۔

''اُعْطِيْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ'' مجھے پہلوں کا اور پچھلوں کا علم دیا گیا ہے۔

اسکے باوجود سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے سامنے محدود ہے۔ دونوں ظاہر اور غیب کے علوم سے اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہتا ہے نوازتا ہے علمِ ظاہر جس کے لئے جتنا مقدر ہے سیکھا اور حاصل کیا جاسکتا ہے مگر علمِ غیب صرف عطاءِ خداوندی پر ہے۔

جو حضرات کہا کرتے ہیں کہ علمِ غیب کی عطائی قسم کوئی ہے ہی نہیں۔ یہ علم سیکھنے اور سکھانے کا تو ہے نہیں۔ تو پھر عطاء کے علاوہ اس کا ذریعہ کیا ہے۔

﴿حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم﴾

حیات کے چار ادوار ہیں:۔

1۔ پہلا عالمِ ارواح کا جہاں روحیں بغیر جسم کے رہتی ہیں ارواح تخلیق میں تو حادث ہیں۔ مگر ابدی ہیں۔ ان پر موت نہیں ہے۔

2۔ دوسرا دور دنیوی زندگی کا ہے۔ جہاں روحیں اجسام میں رہتی ہیں جتنا وقت عنداللہ مقدر ہوتا ہے۔

3۔ پھر وقتِ مقررہ کے بعد اجسام کو چھوڑ کر تیسرے دور عالمِ برزخ کو سدھار جاتی ہیں برزخی زندگی کفار کو بھی حاصل ہے۔ جس پر آیات قرآنی اور احادیث شاہد ہیں۔ فرعونیوں کے عذاب پر المومن: 46 اور نوح علیہ السلام کی امت پر نوح:25 اور مطلق کفار کے عذاب پر النحل:29 کی تفسیر کرتے

ہوئے علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں

''کہ ان کی موت کے فوراً بعد انکی روحیں جہنم میں چلی جاتی ہیں اور انکے جسم قبر (برزخ) میں ہوتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے جسم وروح میں بُعد کے باوجود ان میں ایک گونہ تعلق پیدا کر کے ان کو عذاب دیتا ہے''۔

حدیث مبارکہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کفار، مشرکین، منافقین اور فاسق وفاجر لوگوں کی روحیں بیروت کنوئیں میں ہوتی ہیں جہاں انہیں جہنم کے عذاب میں مبتلاء رکھا جاتا ہے۔اس کا اثر ان کے جسموں پر آتا ہے اور اگر جسم ختم ہو چکے ہوں تو جہاں کہیں انکا عجب الذنب ہوتا ہے، اس پر اثر آتا رہتا ہے۔

اگر انکی زندگی نہ مانی جائے تو عذاب کا احساس کیسے ہوتا ہے۔وہ چونکہ عذاب میں پڑے ہیں، اس لئے انکی برزخی زندگی کا چرچہ نہیں کیا گیا اور شہداء کی زندگی کی وضاحت اس لئے کی گئی ہے کہ کفار انہیں مردہ سمجھ رہے تھے۔تو فرمایا کہ انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ، (بقرہ:154)

اور پھر

''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران:169) میں ہے کہ انہیں مردہ گمان بھی نہ کرو، وہ تو رزق بھی دیئے جاتے ہیں۔

اس کی وضاحت احادیث میں اس طرح ملتی ہے کہ انکی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں پھرتی اور نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں اور عرش معلٰی کی کندیلوں پر بھی بسیرا کرتی ہیں۔ یہ تو شہید حضرات ہیں، اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر خدام ومتّبع ''الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ''(النحل:32) فرشتے انہیں وفات دیتے ہی کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ارواح تو جنت میں چلی جاتی ہیں اور ابدان قبروں میں رہتے ہیں، ارواح کی خصوصی توجّہ انہیں حاصل رہتی ہے اور جن نعمتوں سے ارواح متمتّع ہوتی رہتی ہیں انکا اثر ابدان پر آتا رہتا ہے، اسی وجہ سے وہ قبروں میں ہوں یا باہر، صحیح سلامت رہتے ہیں۔

ہمارے علاقہ ضلع میر پور میں منگلا ڈیم کی وجہ سے بعض بزرگوں کے اجسام دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے نکالے گئے تو تر و تازہ پائے گئے، کفن بھی بوسیدہ نہیں تھے۔ اسی کو جسمانی زندگی کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال دنیا میں بھی ملتی ہے کہ حالتِ نیند میں ارواح کو قبض کر لیا جاتا ہے۔ (الزمر: 42) مگر انہیں مردہ نہیں کہا جاتا، سویا، مویا برابر کہا جاتا ہے مگر سوئے ہوئے کو مردہ نہیں کہا جاتا۔

اسی طرح جو حضرات قبر کے سوالوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں انہیں فرشتے کہتے ہیں۔

''نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ'' (ترمذی شریف) سو جا جیسے دلہن سوتی ہے۔

گویا کہ وہ حضرات سوئے ہوئے کی طرح ہوتے ہیں، اس لئے انہیں مردہ نہیں کہا جاتا۔ موت نام ہے روح کے جسم سے انقطاع کا۔ مگر اس کے باوجود جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ایک نسبت اور توجّہ باقی رہتی ہے۔ جس سے ثواب و عذاب کا احساس ہوتا ہے بعض حضرات چوتھے پارے آل عمران: 144

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ''

اور الزمر: 30 ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ'' کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مردہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مر کر مٹی میں مل گئے۔

حدیث مبارکہ ''اَلْمَوْتُ جِسْرٌ، يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ'' دینوی زندگی کے اختتام پر ہر کسی کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے ورنہ جسم میں روح کی موجودگی میں کسی کو دفن کر دینا ظلمِ عظیم ہے البتہ اہل اللہ، انبیاء، شہداء، اولیاء اور صالحین کے لئے موت ایک پُل ہے جو انہیں دوست سے ملنے کا سبب بنتا ہے اور انکی ارواح باذن اللہ بہشت میں سیر کرتی اور وہاں کی نعمتوں سے متمتّع ہوتی رہتی ہیں۔ انبیاء کا معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ ہے کہ:۔

''اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ'' (سنن ابن ماجہ)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

پس اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہوتے ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں۔ انکی تیسرے دور کی زندگی

کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ یہ حضرات تو معراج شریف کی رات سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لئے بیت المقدس تشریف بھی لائے تھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جانے کے متعلق احادیث اور امت کی طرف سے درود وسلام پہنچانے والے فرشتوں سے متعلق احادیث اور پھر دن رات کو فرشتوں کا درود وسلام کے لئے حاضر ہونے والی روایات، پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے چند دن بعد ایک اعرابی کا بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیش کرنا اور بخشش کا مژدہ سننا، یہ سب کچھ کیا ثابت کرتا ہے۔

﴿نور و بشر﴾

یہ دونوں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات ہیں۔ دونوں کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ان دونوں کا مرکب ہے۔ نور کے متعلق المائدہ:15 کی تشریح کرتے ہوئے اکثر سابقین اور متاخرین علماء و مفسرین نے ''نُوْرٌ وَ کِتَابٌ مُبِیْن'' سے مراد قرآن پاک ہی لیا ہے اور کہتے ہیں کہ ''واؤ'' یہاں پر تفسیری ہے۔ آگے چونکہ ''یَھْدِیْ بِهِ اللہ'' میں ضمیر واحد کی ہے۔ اگر نور اور کتاب دونوں علیحدہ علیحدہ ہوتے تو ضمیر ''بھما'' ہونی چاہیے تھی۔ (اردو تفسیر از سعودیہ)۔

جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ نور کی آیت ''اللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْض'' کی تفسیر میں نور لکھا ہے اور ایک صاحب نے ترجمہ میں اس طرح لکھا ہے ''نور و کتاب مبین'' نور اور وہ کتاب مبین ہے۔ اور ''وہ'' کے لیے آیت میں ''وَھُوَ'' ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

علماء دیوبند میں سے جنہوں نے یہاں یا دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور لکھا ہے۔ علامہ عبدالماجد دریا آبادی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع صاحب، نور ہدایت کے طور پر علامہ حسین علی وان بھچروی اور صاحب جواہر القرآن، علامہ غلام اللہ خان نے تسلیم کیا ہے اور دوسری کتب میں نشر الطیب علامہ اشرف علی تھانوی، اور امداد السلوک میں علامہ رشید احمد گنگوہی، علماء اہل حدیث، فتاویٰ نذیریہ، علامہ سید نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ ثنائیہ، تحقیقی نور علامہ امرتسری۔

اب دیکھتے ہیں کہ نور سے متعلق کوئی روایات ملتی ہیں۔ نشر الطیب میں علامہ تھانوی

صاحب نے کچھ روایات نقل کی ہیں:۔

ایک روایت جو اکثر بیان کی جاتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا تخلیق کیا ہے، تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَاجَابِرُ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورَ نَبِیِّکَ مِن نُورِہٖ،

اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے۔

یہاں پر بعض حضرات ''من نورہ'' کا ترجمہ اپنے نور میں سے کرتے ہیں جسے پنجابی والے ''اپنے نور وچوں نور'' کہتے ہیں جو سراسر غلط ہے اس طرح تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کا ٹکڑا اور حصہ بخرا مانا جا رہا ہے جس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس کا حصہ یا اولاد وغیرہ ہو، یہاں ''من'' بعضیہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے اس روایت میں بھی اور ''اوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی'' میں بھی لفظ خلق موجود ہے، جس کے معنی پیدا کرنا ہے، نہ کہ جدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح مٹی، آگ، ہوا، پانی پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح نور پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تخلیقی نور سے جسے پہلے پیدا کیا وہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

اسی کو علامہ نانوتوی نے کہا ہے:۔

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے نقش روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنایا گیا) قبل الاشیاء اور ''کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِی'' کے متعلق فرمایا (پھر اسی نور سے مانگ کر روشنی بزمِ کون ومکاں کو سجایا گیا) جیسا کہ:

''وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ'' (الحجر:29) اور میں پھونکوں اس میں اپنی روح سے۔

مراد اپنی مخلوق ارواح میں سے، ارواح بھی اس کی مخلوق ہیں، اسی نسبت سے یہاں من روحی فرمایا ہے، ورنہ ارواح کوئی اس کا جزو نہیں ہیں۔

﴿بشریت مصطفی ﷺ﴾

آپ ﷺ کوئی غیر مرئی مخلوق، جن یا فرشتہ نہیں تھے، نسلِ انسانی سے تھے اور سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خود بشر فرمایا ہے ''اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا'' یعنی میں بشر پیدا کرنے لگا ہوں۔

بشر اس مخلوق کو کہا جاتا ہے جسے دیکھا اور پکڑا جا سکے اور اسے عقل ہو عقل میں یہ سب مخلوقات کو پیچھے چھوڑ گیا ہے، لہذا بشر ہی سب سے بڑھیا مخلوق ہے۔ بشریت میں جو کمال ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو نہیں ملا، بشر ہی کو مرتبہ خلافت ملا ہے، دوسرے دیکھتے اور حسد کرتے ہی رہ گئے، اسی حسد کی بناء پر گھٹیا خیال کرتے ہوئے جس نے بشر کہا ہے وہ شیطان ہے۔

قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ (سورہ الحجر:33) اور ''قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ'' (سورہ الاعراف:12)

لہذا آج بھی جو بشر کو گھٹیا سمجھ رہے ہیں، وہ دیکھ لیں کہ یہ سوچ انہوں نے کہاں سے لی ہیکہ وہ نبی ﷺ کو بشر ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ کفار نبیوں کو بشر تو مانتے تھے، مگر نبی اور رسول ماننے کو تیار نہیں تھے، اور آج بعض لوگ نبی اور رسول تو مانتے ہیں مگر بشر ماننے کو تیار نہیں۔

جب کہ سورہ بنی اسرائیل:93

''ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا'' نہیں ہوں میں مگر بشر رسول۔

سرکار ﷺ تو مان رہے ہیں کہ میں بشر ہوں مگر یہ لوگ ماننے کو تیار نہیں اور ''قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ'' (سورہ کہف:110) سے عجیب نقطہ نکالتے ہیں کہ سرکار ﷺ مثلِ بشر ہیں اصل بشر نہیں اور بعض حضرات اسی آیت سے اپنی مرضی کی تشریح نکالنے لگتے ہیں، کہ سرکار ﷺ ہمارے ہی جیسے بشر ہیں، ہم ان جیسے، وہ ہم جیسے اور ہاتھوں، پاؤں اور بشری تقاضوں کا بیان شروع کر دیتے ہیں، نفس بشریت اپنی جگہ، مگر انبیاء کے مراتب اور کمالات کا دھیان رہنا چاہیے، جہاں ''بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ'' ہے وہیں ساتھ ''یُوۡحٰۤی اِلَیَّ'' بھی ہے، ہمیں کوئی نہ مانے تو کسی کا کچھ بھی نہیں بگڑتا، مگر سرکار ﷺ اور آپ ﷺ کے اوصاف کا انکار کرنے سے اگر مسلمان تھا تو کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے خاتم النبین ہونے کا انکار کر دینا، انبیاء کو اپنی مثل بشر سمجھنا اور کہنا۔

اس کا جواب سورہ مومنون ہی میں مل جاتا ہے کہ ان کے ادوار میں کفار انہیں اپنے جیسا بشر کہہ کر ناقابلِ التفات سمجھتے رہے ہیں۔ ماننے والوں نے ایسا نہیں کیا، جب نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا ''اَیُّکُمْ مِثْلِیْ'' تو کسی ایک نے بھی اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم آپ ﷺ جیسے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ''قُلْ'' کہہ کر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو بشر کہتے ہیں تو کہیں میں نہیں کہتا۔ ایسا نہیں بلکہ یہ اس لئے کہلوایا گیا ہے کہ کوئی آپ ﷺ کے کمالات دیکھ کر اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ سمجھ لے، جیسا کہ بعض امتوں نے اپنے نبیوں کے بارے میں کہا ہے۔

پتہ چلا کہ آپ ﷺ بشر تو ہیں، لیکن آپ ﷺ جیسا کوئی بشر نہیں، قاری طیب صاحب فرماتے ہیں کہ سرکار کی بشریت اتنی لطیف تھی کہ روح مبارک کی نورانی شعاؤں کے لئے رکاوٹ نہیں بنی تھی، بلاتشبیہ وتمثیل، جیسے دو ہزار وولٹ کے بلب پر اگر ململ کا کپڑا ڈال دیا جائے تو وہ اسکی روشنی کو نہیں روک سکتا۔

﴿حاضروناظر﴾

قرآن پاک میں آپ ﷺ کے متعلق لفظ شہید اور شاہد استعمال ہوا ہے، جسکے معنیٰ گواہی دینے والا، بیان کرنے والا اور حاضر وناظر کے ہیں، جس سے بعض حضرات نے آپ ﷺ کے متعلق ہر وقت حاضر وناظر ہونے کے معنیٰ لئے ہیں، اور یہی عقیدہ بھی رکھتے ہیں، عقیدت اچھی بات ہے مگر عقائد کے لئے ٹھوس دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شاہد اور شہید کے معنیٰ گواہ کے ہیں، اور گواہ تو وہ ہوتا ہے جو موقعہ پر حاضر و ناظر ہو، یہ دلیل تو اپنی جگہ درست ہے مگر گواہی تو یقینی علم کی بناء پر بھی دی جاسکتی ہے اور گواہی قرینہ کی بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گواہ نے گواہی دی تھی ''وَشَهِدَ شَاهِدٌ'' (یوسف:26) گواہی دی ایک گواہ نے۔

یہ سارا کچھ قرآن پاک سے ثابت ہے، لفظ شہید تو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے لئے

بطور صفت استعمال ہوا ہے اور یہی لفظ امت محمدیہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، تو کیا ہم سب بھی حاضر و ناظر ہیں، نہیں تو پھر سب کے لیے حسبِ مراتب تشریح کرنی ہوگی، امت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:۔

''جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ'' (سورہ بقرہ:143)

تمہیں درمیانی، عادل اور بہتر و افضل امت بنایا گیا ہے ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ'' تم بہترین امت ہو، کافر امتوں کے خلاف نبیوں کے حق میں گواہی دینے والے ہوگے، یہ گواہی یقینی علم کی بناء پر ہوگی جو ہمیں قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوا ہے کہ سابقہ تمام انبیاء نے اپنے اپنے ادوار میں اپنی اپنی امتوں کو توحید کا پرچار کیا ہے اور پیغاماتِ ربانی پہنچائے ہیں اور چونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلسلہء نبوت ختم ہو چکا ہے لہذا غیر مسلموں کو تبلیغ و ارشاد کی ذمہ داری اس امت کی ہے ''اخرجت للناس'' اس لحاظ سے شہید کے معنیٰ ''بیان کرنے والا'' کے ہیں۔ اور یہی لفظ بطور صفت جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے

''وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ'' (سبا:47) وہ ہر چیز پر ناظر و نگہبان ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ'' (آل عمران:5)

بے شک اللہ پاک پر آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں،

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ، (سبا:03)

اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی ذرہ برابر چیز پوشیدہ نہیں۔

رہی بات سرکار نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خبر و مشاہدہ سے شہید اور شاہد بنایا ہے۔ انباء الغیب سے تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرفراز فرمایا ہی جاتا رہا ہے پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کروا کر عالمِ غیب کی اشیاء پر شاہد بنایا گیا۔

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (بنی اسرائیل:1)

تا کہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی، (سورہ نجم:18)

البتہ تحقیق اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے دیکھیں۔

سابقہ انبیاء کرام کو دیکھنا، ان سے ملاقات اور انہیں نماز پڑھانا، مختلف آسمانوں کو عبور کرتے ہوئے فرشتوں اور مختلف انبیاء سے ملاقات ہونا، بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھنا اور پھر جنت کی سیر فرمانا، دوزخ کا ملاحظہ کرنا اور مزید جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا نظارے فرمائے۔ جو کچھ سابقہ انبیاء بذریعہ وحی سن کر امتوں کو بیان فرماتے رہے، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سب کا شاہد بنایا گیا، وہ حضرات جو شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر وقت، ہر جگہ اور تمام اشیاء کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشِ نظر سمجھتے ہیں، وہ واقعہ معراج اور ہجرت سے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ رہا روحانی طور پر کسی جگہ باذن اللہ حاضر ہو جانا، معجزہ کے اعتبار سے بالا از شک وشبہ ہے جیسا کہ معراج شریف کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر مبارک میں حالتِ نماز میں دیکھا پھر بیت المقدس میں دیکھا پھر چھٹے آسمان پر دیکھا، لیکن یہ یاد رکھیں کہ اس طرح انبیاء جب ایک جگہ ہوتے ہیں تو دوسری جگہوں پر نہیں ہوتے، ورنہ جو ہر وقت ہر جگہ ہو وہ حاضر نہیں، وہ تو موجود ہوتا ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روحانی طور پر کسی جگہ تشریف فرما ہو جانا، نہ تو دشوار ہے اور نہ ہی کوئی ممانعت ہے۔ اہلِ نظر کو اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی رہتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی چیز یا جگہ کو دیکھنا چاہیں، تو بلا تاخیر کشفی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باذن اللہ عیاں ہو جاتا ہے جیسا کہ معراج شریف کے دوسرے روز کفار سے بیان فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بیت المقدس کو عیاں کر دیا گیا تھا، جسمِ مثالی میں ایک وقت میں اکثر جگہوں پر حاضر ہو جانا، یہ بھی ممکن ہے۔

کتاب جمالِ اولیاء کا ترجمہ کرتے ہوئے علامہ تھانوی صاحب نے ایک مجذوب کا ایک وقت میں چالیس جگہوں پر حاضر ہونا تحریر کیا ہے، جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کا یہ حال ہے تو پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو مقام و مرتبہ ہی مخلوقات سے اعلیٰ و ارفع ہے، مگر اس طرح کروڑہا جگہوں پر حاضر ہونے کے باوجود باقی جگہوں پر غیر حاضری ہوگی، اگر ساری روئے زمین کا چکر لگانا چاہیں تو ایک سیکنڈ

میں کئی چکر لگا سکتے ہیں، مگر معاملہ پھر وہی ہوگا کہ اس سیکنڈ میں جب ایک جگہ حاضر ہوں گے تو دوسری جگہوں پر غیر حاضر ہوں گے اور زمین آپ ﷺ کے لئے مثلِ ہتھیلی ہے۔ مگر جب توجہ ایک جگہ یا ایک چیز پر مرکوز ہوتی ہے تو دوسری چیزوں پر کما حقہ نہیں ہوتی یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ ہر وقت ہر چیز اس کے سامنے ہوتی ہے، رہا سرکار ﷺ کی روح مبارک سے نکلنے والی شعاؤں کا تعلق، تو وہ باذن اللہ کائنات کی ہر شے میں سراعت کیے ہوئے ہیں، جو سینے انہیں قبول کرتے ہیں انہیں میں ایمان جگمگاتا ہے۔

﴿تخلیقات پر شاھد ھونا﴾

کہا جاتا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ تخلیقِ اول ہیں، ہر شے آپ ﷺ کے بعد تخلیق ہوئی ہے لہذا ہر شی آپ ﷺ کے سامنے بنی ہے اور ان پر گزرنے والے تمام حالات سب کچھ آپ ﷺ کے مشاہدہ میں ہوا ہے، لہذا آپ ﷺ تمام معاملات و مواقع پر حاضر و ناظر اور شاہد ہیں جبکہ قرآن پاک اس کی نفی کرتا ہے:۔

''وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ'' (سورہ یوسف:102)

آپ ﷺ انکے پاس موجود نہ تھے جب وہ (یوسف علیہ السلام کے بھائی) اپنے معاملہ پر جمع ہوئے اور تدبیریں کر رہے تھے۔

''وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ'' (سورہ آل عمران)

آپ ﷺ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا اور آپ ﷺ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (القصص:44)

آپ ﷺ کوہ طور کی مغربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے معاملہ کا فیصلہ کیا اور نہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ رہے تھے،

اسی طرح اس سورت کی اگلی دو آیات 45 اور 46 اور سورہ ص کی آیت 69 اور جہاں جہاں ''ذَالِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ اور تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ'' آیا ہے یعنی اگرچہ یہ باتیں غیب کی تھیں مگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا رہے ہیں۔

﴿استمداد﴾

غیر اللہ سے استمداد یعنی اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور سے مدد چاہنا علماء حضرات نے اس کے دو حصے بنائے ہیں۔

1۔ایک تحتِ طبعی اسباب، یعنی جو انسانی دسترس میں ہوں اور اسباب عادیہ سے ہونے والے ہوں۔

2۔دوسرے جو فوق الطبعی اسباب، یعنی جو انسانی دسترس سے باہر ہوں اور اسباب عادیہ سے نہ ہوں۔ جیسے اگر کسی کو پانی کی ضرورت ہو تو وہ خود بھی پانی کے برتن یا ٹوٹی وغیرہ سے لے سکتا ہے۔اور کسی دوسرے کو کہہ کر بھی لے سکتا ہے۔مگر جب بارش کی ضرورت ہو تو یہ کام نہ وہ کر سکتا ہے اور نہ ہی مخلوقات میں سے کوئی دوسرا کر سکتا ہے۔لہذا بارش مانگنے والا چاہے خود بارگاہِ خداوندی میں عرضِ نیاز پیش کرے یا کسی کو وسیلہ بنائے، بہر حال مانگے گا اللہ تعالیٰ سے ہی، اسی طرح کے دوسرے کاموں میں بھی ایسا ہی کرے گا۔

البتہ کچھ اہل اللہ باذن اللہ فوق الطبعی معاملات، جن کا تعلق تکوینیات سے ہوتا ہے کر دیتے ہیں، جیسا کہا ''اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ'' (النمل:40)

اللہ تعالیٰ کے بندے آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے میں بلقیس کا تخت حاضر کر دیا تھا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات وغیرہ۔

بعض حضرات غیر اللہ سے مانگنے کے ثبوت میں آیت '' وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'' پیش کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ قرآنی آیت موجود ہے، کہ صبر اور نماز سے مدد مانگو۔ نہ ہی یہ اس آیت کا مفہوم ہے اور نہ ہی کبھی کسی نے صبر یا نماز سے یہ کہہ کر کہ یا صبر المدد یا صلوۃ المدد،

مدد مانگی ہے، اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ صبر کا دامن تھامے ہوئے نماز جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، اسکی تفسیر خود قرآن پاک میں موجود ہے۔

اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰہِ وَاصْبِرُوْا، (الاعراف:128)

اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

رہا معاملہ وسیلہ (ذریعہ) کا، تو وسیلہ قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے۔ بغیر وسیلہ کے بھی عطاء کرتا اور معاملات حل فرماتا رہتا ہے، اور وسیلہ سے بھی عطاء کرتا اور کام بناتا رہتا ہے۔ لوگوں کو اپنے پیغامات پہنچانے اور کتابیں عطاء کرنے کے لئے نبیوں کو وسیلہ رکھا۔ بعض مخلوقات کی تخلیق کا وسیلہ (ذریعہ) انکے ماں باپ کو بناتا ہے، اکثر چیزوں کے لئے پانی کو ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ لہذا وسیلہ شرک نہیں، شرک تو تب ہو جب مانگا ہی وسیلہ سے جائے، اور اگر وہ صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا ذریعہ ہو تو پھر شرک کیونکر ہوگا۔ اعمال صالح اور رجال صالح، دونوں کا وسیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے قرآن وحدیث دونوں سے راہنمائی مل جاتی ہے۔

،وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ، (المائدہ:35) کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے اعمال ورجال دونوں ہی کا وسیلہ تسلیم کیا ہے۔

معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب ہی دیکھ لی جائے اور یہ سلسلہ آج ہی کا نہیں بلکہ سابقہ امتیں بھی وسیلہ اختیار کرتی رہی ہیں۔

کَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ، (سورہ البقرہ:89)

یہود نبی آخر الزماں کے وسیلہ سے کفار ومشرکین پر فتح مانگا کرتے تھے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جو ایک نابینا صحابی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کا طریقہ سکھایا ہے وہ حدیثِ اَعمیٰ کے نام سے مشہور ہے کتبِ حدیث میں موجود ہے دیکھا جا سکتا ہے۔

سابقہ امتوں کے تین اشخاص نے غار کا منہ پتھر سے بند ہوجانے پر اپنے اعمال کا وسیلہ پیش کیا تو غار کے منہ سے پتھر ہٹ گیا۔ کتب میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ بزرگوں کو دعا کے لئے وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنی مغفرت کے لئے آپ علیہ السلام کو دعا کے لئے عرض کی۔ (سورہ یوسف:97,98)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چند دن بعد ایک اعرابی کے قبر مبارک پر آ کر اپنی بخشش کیلئے وسیلہ بنانا اور پھر مغفرت کا مژدہ حاصل ہونا، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بارش کیلئے حضرت عباس، عمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنا۔ (بخاری شریف)

یہ سب صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوتا رہا ہے۔ کسی نے بھی اسے شرک یا بدعت نہیں کہا، حالانکہ وہ علم اور عمل میں ہم سے بہت آگے تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش، قدم پر چلائے۔

﴿قبور و مزارات کی زیارت﴾

''وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ'' (سورہ توبہ:84)

اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور منافقوں کی قبور پر جانے سے منع فرمایا ہے نہ کہ مسلمانوں کی قبروں سے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو قبور پر تشریف لے جانا سنت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع میں اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ خصوصاً جمعہ کے دن، اور شہداء احد کی قبروں پر ہفتہ وارانہ ہر بدھ کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور پھر شہداء بدر کی قبور پر سالانہ بمعہ صحابہ کرام کے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سعودیہ میں زیارت قبور کے نام سے ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا ہے اس میں روایات کی روشنی میں پوری تفصیل درج کی گئی ہے۔ اس پر امت مسلمہ کا عمل جاری ہے، رہا قبروں پر حاضری کے دوران سلام و دعا کرنا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عبرت اور یادِ آخرت کیلئے زیاراتِ قبور کی تلقین کی ہے، وہاں پر سلام و دعا کیلئے بھی فرمایا گیا ہے۔ کہ قبرستان جانے والا:۔

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ'' کہے یعنی سلام کے بعد اپنے اور انکے لئے دعا مغفرت کرے، اہل اللہ جہاں ہوں وہاں برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ تو جہاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے وہاں دعائیں قبول ہوتیں ہیں۔ لہذا اس نظریہ کے تحت اگر کوئی ولی اللہ کے مزار مبارک پر حاضری کے دوران دعا کرے تو یہ شرک و بدعت میں شمار نہیں ہوگا۔ البتہ دعا اللہ تعالیٰ ہی سے کرنی چاہیے۔ کیونکہ دعا عبادت ہے اور عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ البتہ انکے وسیلہ سے دعا کرنا یا انہیں دعا کرنے کے لئے عرض کرنا یہ بھی شرک و بدعت میں نہیں آتا۔ اس پر اعرابی کا واقعہ جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چند روز بعد حاضر ہوا تھا اور صحابہ کرام کی ایک جماعت جو مسجد نبوی شریف میں موجود تھی کے ہوتے ہوئے اس نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد کی تھی، صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی نکیر نہیں فرمائی تھی، لہذا شرک و کفر کی مشین گن چلانے میں احتیاط فرمانی چاہیے۔

البتہ صاحبانِ مزارات میں اپنی طرف سے عہدے اور شعبے نہیں تقسیم کرنے چاہیں، یہ آنکھوں والی سرکار ہیں، یہ کانوں والی سرکار، جیسا کہ دوسروں کی آنکھیں اور کان ہے ہی نہیں، کوئی داد چمبل والی سرکار تو کوئی ویزے والی اور کوئی پتروں والی سرکار، خدا کے بندو! اللہ تعالیٰ نے شعبے ان کے حوالے نہیں کر دیئے ہوئے، کسی بھی ولی کی دعا کسی بھی سلسلہ میں قبول کر لے اس کی مرضی۔

دور دراز سے زیارت قبور کے لئے جانے سے منع کرنے کے لئے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے ''لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا لِثَلَاثَۃِ مَسَاجِدِ'' (بخاری شریف)

یہاں پر اپنے اپنے ذوق کے مطابق تشریح کی گئی ہے۔

بعض حضرات کی تشریح سے تو پتہ چلتا ہے کہ سوائے ان تین مساجد کے، کہیں کا سفر ہی نہیں کیا جا سکتا، اس طرح تو دینی مقاصد کے لئے سفر بھی زد میں آجاتے ہیں، اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کی حاضری سے اسی حدیث کے پیشِ نظر منع کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری کا نہیں بلکہ مسجدِ نبوی کی حاضری کے ارادہ سے مدینہ طیبہ کا سفر کرنا چاہیے۔

اس حدیث کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسجدوں سے متعلق ہے کہ اگر زیادہ ثواب

کے ارادہ سے مسجد کا سفر کریں تو وہ یہ تین مسجدیں ہیں کعبۃ اللہ، بیت المقدس (مسجدِ اقصیٰ) اور مسجدِ نبوی۔

ورنہ سفر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کے علاوہ مسجدِ قباء شریف کا کرتے رہے ہیں، اور پوری امت کا اس پر عمل ہے۔ اور زیارتِ قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو احادیث بھی مل جاتی ہیں۔

''مَن زَارَ قَبرِی وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِی'' (سنن الدار قطنی)

اور ''مَنْ حَجَّ البَیْتَ وَلَم یَزُرْنِی فَقَدْ جَفَانِی''

اگرچہ بعض حضرات ان احادیث کو ضعیف مانتے ہیں، مگر علامہ تھانوی صاحب نے انہیں تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے (مسائل الحج) سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پر کرم فرما کر بلانا چاہیں بلا لیتے ہیں۔

اس پر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ والا مشہور واقعہ شاہد ہے وہ بغرض تبلیغِ دین ملکِ شام چلے گئے تھے کچھ عرصہ بعد سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خواب میں زیارت سے مشرف فرماتے ہوئے فرمایا۔ بلال تم نے ہمیں بھلا ہی دیا ہے۔ ہمارے پاس آنا چھوڑ دیا ہے۔ تو حضرت بلال جس والہانہ انداز سے حاضر خدمت ہوئے وہ انہیں کا حصہ تھا، اللہ تعالیٰ ذوق سلیم عطاء فرمائے، فتویٰ بازی سے پہلے ان سب باتوں کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

﴿ایصالِ ثواب﴾

نفس ایصال ثواب کو تقریباً تمام مکاتبِ فکر تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کچھ اختلاف کیا جاتا ہے، تو وہ طریقہء کار یا دن وغیرہ تعین کرنے میں ہے۔ دن مقرر کرنے والے حضرات بھی یہ نظریہ نہیں رکھتے کہ ان دنوں کے سوائے کسی دوسرے دن میں ثواب نہیں ملتا، یا کم ملتا ہے۔ یہ تعین شرعی نہیں ہے۔ جیسا روزے رمضان مبارک میں فرض ہیں، اور حج نو ذی الحجہ کو ہی ہوتا ہے۔ اور جس طرح کہ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں۔ بلکہ یہ تعین طبعی ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کچھ کاموں کے لئے بعض دن مقرر کر رکھے تھے، مسجد قباء کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن جایا کرتے تھے۔ اور شہداء احد کی قبور پر بدھ کو تشریف لے جایا کرتے

تھے، یہ دن تو محض اس لئے مقرر کیے جاتے ہیں کہ ان پر کچھ نہ کچھ کر لیا جاتا ہے ورنہ آج کل کرتے ہوئے ٹال مٹول پر معاملہ پہنچ جاتا ہے۔

باقی رہے نام وغیرہ تو محض عرفی ہیں اگر کوئی ان میں قباحت سمجھتا ہے تو وہ یہ نام نہ بولے، اصل مقصد تو ایصالِ ثواب ہے۔ جس پر لکھتے ہوئے علامہ ثناء اللہ امرتسری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''ایصالِ ثواب کے ارادہ سے کیا جائے تو گیارویں، بارھویں، سب جائز ہیں'' (فتاوٰی ثنائیہ)۔

راقم نے تمام مکاتبِ فکر کے عوام وعلماء کو کسی نہ کسی رنگ میں ایصالِ ثواب کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ البتہ جائز و مستحب اعمال کو واجب کے درجہ تک نہیں لے جانا چاہیے۔ اور نہ ہی جائز و مستحب امور کو بدعت کہہ دینا چاہیے۔ سنت اور بدعت کے درمیان تحت سنت، مستحب، جائز و مباح آتے ہیں انکا خیال ولحاظ رکھنا چاہیے۔

﴿میلاد﴾

میلاد کیا ہے، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا ذکر، جس میں اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا ذکر ہوتا ہے، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایصال ثواب کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس سے ہی اگر منع کرنا شروع کر دیا جائے تو پھر قرآن وحدیث میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرے بیان ہوئے ہیں انکا کیا کرنا ہوگا اور پھر بڑے بڑے علماء نے ہر دور میں اس پر کتابیں لکھی ہیں سب بیکار اور فضول ٹھہریں اور آخر زمانے میں علامہ نواب صدیق حسن بھوپالی نے ''الشمامۃ العنبریہ فی مولد خیر البریہ'' اور علامہ اشرف علی تھانوی صاحب نے '' نشر الطیب '' لکھ کر کیا بدعت جاری کرنا چاہی ہے، بلاشبہ میلاد مبارکہ منانا فرض وواجب نہیں ہے، لیکن اس کے متعلق کچھ مواد ایسا ملتا ہے کہ جس کی بناء پر اسے بدعت کہنے کی گنجائش نہیں بنتی، ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مسلمان فرار نہیں کر سکتا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے'' وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ''، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو بلند فرمایا ہے لہٰذا اس کا اظہار تو ہوگا۔

منشاء یہی ہے سلسلۂ قیل وقال کی
ہوتی رہے ثناء ان کے حُسن وجمال کی

کوئی میلاد شریف نام رکھے یا کوئی سیرت کانفرنس نام رکھے، کام دونوں کا ایک ہی ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر برسنے اور فتوے چھڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر جشنِ نزولِ قرآن منایا جاسکتا ہے، تو میلادِ صاحبِ قرآن پر کیوں فتوے۔

اس کی ابتداء تو وہاں سے ہوتی ہے کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوموار کے دن کا روزہ رکھنے کی علت پوچھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فِیہِ وُلِدْتُ کہ یہ میرا یومِ ولادت ہے تو شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ولادت باسعادت کے واقعات خود بیان فرمائے ہیں اور فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسٰی کی خوشخبری اور اپنی والدہ کا خواب ہوں''۔

صحابہ کرام بھی ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرے کرتے رہے ہیں۔

البتہ مروجہ طریقہ میلاد، ابوسعید مظفر، اربل کے بادشاہ کا شروع کردہ ہے، جس میں دن بدن دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی اضافے ہورہے ہیں، جو گناہ کی حد کو چھورہے ہیں لہٰذا ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسلام نے ہمیں تہواروں اور خوشی کے دنوں میں بھی شکرانے کے طور پر عبادت سکھائی ہیں۔

لہٰذا ہمیں بھی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق میلاد پر روزہ رکھنا چاہیے اور جس طرح سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ولادت شریفہ کا تذکرہ فرمایا ہے بمع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بیان کرنا چاہیے اور شام کو افطاری کے وقت اچھے سے اچھے کھانوں کا حسبِ استطاعت ایصال ثواب کے لئے اہتمام کرنا چاہیے، اور دن بدن جو نئی نئی رسمیں شامل کی جارہی ہیں ان سے مطلق پرہیز کرنا چاہیے۔

میلاد کے نام پر حدودِ شریعت کو پھلانگتے ہوئے بدعات کو شامل نہ ہونے دیا جائے تاکہ اعتراضات کا کوئی موقع ہی نہ رہے۔

﴿عرس﴾

یہ بھی وہ کام ہے جو سب ہی کسی نہ کسی رنگ میں کر رہے ہیں۔ کوئی عرس کہتا ہے اور کوئی برسی اور یاد رفتگان کہہ کر کام چلا رہا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

''فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ'' (البقرۃ:152)

پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

تو جو بندہِ خدا اپنی زندگی اللہ اللہ کرتے ہوئے اور اس کے احکام پر بمطابق سنت گزارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ'' اذکرکم '' کو اس طرح نہیں پورا کرتا کہ یا عبدی یا عبدی کرتا رہے بلکہ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے

''وَاذْكُرْ عَبْدَنَا وَاذْكُرْ عِبَادَنَا''

میرے بندے کا ذکر کرو اور میرے بندوں کا ذکر کرو۔

اس کا اظہار کسی نہ کسی رنگ میں ہوتا رہتا ہے، رہی بات نام کی تو یہ مل کر مناسب سا نام تجویز کیا جا سکتا ہے۔ البتہ عرس کے نام پر جو خرافات ہوتی ہیں اور بے دینی پھیلائی جاتی ہے، اسکی دینی حلقی پذیرائی اور حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ سب کو مل کر اس کی احسن طریقے سے اصلاح کرنی چاہیے، جہاں کہیں مزارات پر طواف کئے جاتے ہیں یا قبور کو سجدے کیے جاتے ہیں، چونکہ یہ دونوں طواف اور سجدہ عبادت ہیں اور عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، طواف تو بحکمِ الٰہی صرف خانہ کعبہ شریف کا کیا جاتا ہے، کسی دوسری مسجد کا بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائے کہ مزاراتِ اولیاء کا شروع کر دیا جائے، رہا سجدہ تو سجدہِ عبودیت تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کو کرنا شرک ہے اور سجدہِ تعظیمی یہ بھی شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔

اولیاء اللہ تو ساری زندگی اللہ کی بندگی کرتے رہے اور اسی کی طرف مخلوق کو دعوت دیتے رہے ہیں اور ہم نے انکے سارے مشن کو الٹ دینے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اسکی سب مل کر پرزور مذمت کریں اور ختم کرائیں۔ محکمہ اوقاف کو بھی آنکھیں کھولنی چاہیں۔ جہاں جہاں بے دینی کا ماحول پیدا ہو رہا ہے بند کرانا چاہیے۔

﴿دور دراز سے کسی زندہ یا فوت شدہ کو پکارنا﴾

دور ہو یا نزدیک، صحیح عقیدہ کے ساتھ کسی کو پکارنا شرک نہیں، آگے اللہ تعالیٰ پر ہے کہ وہ آواز دور و نزدیک والوں کو بطور معجزہ یا کرامت سُنا دے۔ قبروں والے اگر منوں مٹی کے اندر ہوتے ہوئے باذن اللہ سن لیتے ہیں اور انہیں "یا اھل القبور" کہنا جائز ہے تو دور والے بھی باذن اللہ بطور معجزہ اور کرامت سُن سکتے ہیں، مطلق دور والوں کو اگر آواز لگانا، پکارنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعمیرِ کعبہ کے بعد حج کے لئے حاضری کا اعلان نہ کرواتا۔

"وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ" (الحج:27) لوگوں میں حج کے لئے اعلان کر دو۔

کیا جب یہ اعلان کیا گیا تھا لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ بخاری شریف میں اسکی تفصیل موجود ہے، رہی بات فوت شدگان کو خطاب کرنے کی تو وہ بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذابِ خداوندی میں مبتلاء ہو کر مر جانے کے بعد خطاب فرمایا:۔

وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (الاعراف:79)

اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب میں تباہ ہونے کے بعد خطاب فرمایا:

وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (الاعراف:93)

اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلیب بدر سے انکی ہلاکت کے بعد خطاب کیا اور اگر یہ کہا جائے کہ فوت شدگان کو دور سے پکارنا شرک و خلافِ دین ہے تو پھر اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح شدہ پرندوں کو آواز لگانے (پکارنے) کے لئے نہ کہتے:۔

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا (البقرہ:260)

تو پتہ چلا کہ اس طرح دور و نزدیک سے زندہ یا فوت شدہ کو پکارنا شرک نہیں ہے البتہ غیر اللہ کو اِلٰہ (معبود) سمجھ کر دور یا نزدیک سے پکارنا شرک ہے۔ "فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ" (الشعراء:213) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہ پکارنا۔

﴿تعظیم وعبادت﴾

بعض حضرات تعظیم وعبادت میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے، جن اشخاص اور اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے قابلِ تعظیم بنایا اور انکی تعظیم کرنے کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ اسکو دل کا تقویٰ قرار دیا ہے۔

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" (سورہ الحج آیت:32)

ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ سے خصوصی نسبت حاصل ہو وہ شعائر اللہ میں شامل ہے شعائر اور آیات دونوں الفاظ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور اس سے منسوب چیزوں پر بولے جاتے ہیں، جیسا کہ صفاء ومروہ کو شعائر اللہ کہا گیا ہے اور اصحابِ کہف کو "مِنْ آيَاتِنَا" فرمایا گیا ہے اور قربانی کے جانوروں کو بھی شعائر اللہ کہا گیا ہے۔

تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ سے خصوصی نسبت والی ہر شے قابلِ تعظیم ہے انکی تعظیم شرک میں شامل نہیں، شعائر اللہ میں انبیاء اللہ کا درجہ سب سے پہلے ہے پھر اولیاء اللہ کا درجہ آتا ہے۔ ان کے قدم جہاں پڑ جائیں وہ جگہیں بھی شعائر اللہ اور قابل تعظیم ہو جاتی ہیں اور جہاں بیٹھیں یا لیٹیں وہ جگہیں بھی آیات اور قابلِ تعظیم ہو جاتی ہیں، جیسا کہ اصحابِ کہف کا مقام اور مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کو برکت والا کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ نبیوں کا مسکن رہا ہے اور مدفن بنا ہے تو پتہ چلا کہ یہ حضرات جہاں رہیں اور جہاں دفن ہوں، وہ سب جگہیں قابلِ تعظیم ہیں، بیت اللہ شریف اور دیگر مساجد سب شعائر اللہ اور قابلِ تعظیم ہیں، انکی تعظیم شرک نہیں بلکہ عین عبادت الٰہی ہے، کیونکہ یہ تعظیم اسی کے حکم کی بجا آوری میں ہے۔

﴿نسبتِ مجازی﴾

نسبتِ مجازی شرک میں شمار نہیں ہوتی ورنہ فرشتے، انبیاء و اولیاء کوئی بھی نہیں بچے گا یہ نسبتیں قرآن پاک میں مختلف جگہوں میں ملتی ہیں۔

سب جانتے اور مانتے ہیں کہ اولاد دینا، اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

''لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ'' (الشوریٰ:49)

مگر جبرائیل امین جب حضرت مائی مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینے کو آئے تو بیٹا دینے کی نسبت اپنے ساتھ منسوب کر دی:۔

''لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا'' (سورہ مریم:19) تا کہ میں عطاء کروں تجھے ستھرا بیٹا۔

چونکہ آپ درمیانی واسطہ تھے اس لئے اسے مجازاً اپنے ساتھ منسوب کر دیا۔

اسی طرح سب جانتے اور مانتے ہیں کہ تکالیف و مصائب کا ٹالنے والا اللہ تعالیٰ ہے،

''اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ'' (النمل: 62)

مگر حضرت لوط علیہ السلام اور انکے ساتھیوں کو نجات کی نسبت فرشتوں نے اپنے ساتھ دی ہے:۔

اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ، (الحجر:59) ہم ان سب کو نجات دینگے (بچالیں گے)

''البتہ ہم اسے اور اسکے اہل کو نجات دینگے، سوائے اس کی بیوی کے''۔ (العنکبوت:32)

''ہم تجھے اور تیرے اہل کو نجات دینگے'' (العنکبوت:33)

بنی اسرائیل نے عذاب ہٹانے کی نسبت مجازاً حضرت موسیٰؑ علیہ السلام سے دی البتہ اگر تو ہم پر سے عذاب ہٹادے ''لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ'' (الاعراف:134) اسے نہ قرآن اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کہا۔

اور حقیقی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ دی:۔

''فَلَمَّا كَشَفْنَا'' پھر جب ہم عذاب ہٹا دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو گمرہیوں کے اندھیروں سے نکال کر نورِ اسلام کی روشنی کی طرف لانے کی نسبت اپنے ساتھ دی ہے:۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، (البقرہ:257) اللہ تعالیٰ مومنوں کا (دوست) کارساز ہے انہیں ہر طرح کی بد عقیدگی کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

یہی نسبت مجازاً انبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی ہے۔:۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورہ ابراہیم:1)

کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لئے اتاری ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ، (سورہ ابراہیم:5)

ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ بھیجا، یہ کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے طرف روشنی کے۔

چیزوں کو اگانے کی نسبت اپنے ساتھ دی ہے:۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (سورہ النمل:60)

ہم نے اس (پانی) سے بارونق باغات اُگائے، نہیں ہو تم کہ اُگا سکو ان کے درخت۔

پھر مجازاً ایہی نسبت زمین کی طرف منسوب کی:۔ البقرہ:: 61

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ (سورہ زمر:42) اللہ تعالیٰ وفات دیتا ہے، جانوں کو۔

اور پھر مجازاً ایہی نسبت عزرائیل فرشتے سے دی:۔

يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ ، (سورہ السجدہ:11) کہہ دیجئے کہ وفات دیتا ہے تمہیں فرشتہ۔

لہذا اگر کوئی کسی واسطہ وذریعہ کو مجازاً انسبت دے دے تو یہ شرک نہیں ہے۔

﴿نعت﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کو نعت کہا جاتا ہے سارا قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف سے بھرا ہوا ہے۔

کہنے کو نعت سیدِ عالی وقار کی　　منہ میں زبان چاہیے پروردگار کی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لعمرك" تیری عمر (زندگی) کی قسم اتنی پاکیزہ زندگی ہے کہ خالقِ کائنات بھی اس کی قسمیں فرماتا ہے اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ" (القلم:4) اور بے شک تو خلق عظیم پر ہے۔

اسی بے مثال زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مکہ کے سامنے بطور گواہ پیش کیا تھا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ، (یونس:16) میں تم میں اس سے قبل یعنی اعلانِ نبوت سے پہلے ایک عمر گزار چکا ہوں، جو تم سے پوشیدہ نہیں ہے میری شخصیت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا کے لئے نمونہ فرمایا ہے:۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب:21)

البتہ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

دلکش حسین و دلربا بچپن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا　　بے داغ مثل آئینہ ان کا شباب ہے

صورت وہ جس کے سامنے شمس و قمر ہوں ماند　　سیرت گواہ جس پر خدا کی کتاب ہے

طلعت کھلی کتاب ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی　　جو باب اس کا کھولئے بس لاجواب ہے

نعت لکھنا پڑھنا گناہ نہیں ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی نعت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنتے رہے ہیں، لیکن نعت لکھنے والوں کو چاہیے کہ مقامِ الوہیت اور رسالت کو ملحوظ رکھیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ،　　كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بَری

حیراں ہوں میرے شاہا، کیا کیا کہوں تجھے

مگر بعض کم علم لوگوں نے نعتوں میں بڑے بڑے نامناسب اور خطرے ناک شعر لکھے ہیں، جن کی اصلاح ازحد ضروری ہے مختلف نعتیہ کلاموں میں قابلِ اصلاح شعر کچھ اس طرح سے ہیں:

میرے نبی دیا ذکرا بسم اللہ حق لا الہ الا اللہ

حق لا الہ الا اللہ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہیں ہے۔

ایک نعت اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

آ گئے سرکار میں بسم اللہ کراں

اس میں ایک شعر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات فرمایا

(آ جا میرے یار میں بسم اللہ کراں)

پھر معراج کی رات کے متعلق ایک شعر میں ہے:

دواں ذاتاں نے رل مل کے بہناں اے

اور ایک شعر:

دن رات دے قصے چھوڑ دیو، کڑھیاں دیاں بخشاں رہن دیو

مدتاں دیاں وچھڑیاں سجناں نوں رل مل کے اج ذرا بہن دیو

ایک نعت کا پہلا شعر اس طرح شروع ہوتا ہے:

اے سبز گنبد والے منظور دعا کرنا

دعا عبادت ہے "الدعا ھو العبادۃ" تو دعا کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے نہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

ایک نعت کا شعر ہے:

نورِ ازلی چمکیا، تھاں تھاں سویرا ہو گیا

ازلی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تخلیقی اور حادث ہے۔

ایک نعت اس طرح شروع ہوتی ہے: میں سو جاواں یا مصطفٰی کہتے کہتے،

کھلے آنکھ صلِ علیٰ کہتے کہتے، حبیبِ خدا کو خدا کہتے کہتے

اورایک شعراس طرح ہے:

وہی جوعرش پہ مستوٰی تھاخداہوکر　　اُتر پڑامدینے میں مصطفٰی ہوکر

دیکھ لیں نعت کی آڑ میں کیا کیا کہا جارہا ہے۔ یہ توصریحًا گمراہی پھیلائی جارہی ہے، بلاشبہ مخلوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ہم پلہ نہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ بھی نہیں ہیں۔

میں کس طرح تیرے اوصاف کا شمار کروں

خدا کے بعد محاسن ہیں بے عدد تیرے

اور بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر، اور آج کل تو فلمی گانوں کو تھوڑے بہت الفاظ سے تبدیل کر کے نعتیں لکھی جارہی ہیں اور پھر پڑھنے والے بھی اکثر داڑھی مبارک کا رگڑا نکالنے والے اداکاروں جیسا لباس پہننے والے اور اب نعتوں کے ساتھ ساز و مزامیر بھی استعمال کیا جانے لگا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کبھی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اپنی نعت سنی ہے تو کیا ساتھ ڈھولک، ساز وغیرہ بھی ہوتا تھا؟ بچیوں والا حوالہ دے کر نہ خود بچے بنیں اور نہ لوگوں کو بچے بنائیں۔

﴿ادائیگی نماز﴾

نماز ادا کرنے میں جو اختلاف دیکھا جارہا ہے، کتب احادیث میں اس طرح روایات مختلف ملتی ہیں، آپ جس سے بھی پوچھیں گے تو وہ آپ کو روایت پیش کردے گا۔ اب رفعِ یدین ہو یا ارسال۔ اسی طرح دوسرے ارکان غالبًا یہ سب اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ادائیں ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ باقی رکھنا چاہتا ہے لہذا ہر ایک ادا پر عمل کرنے والے مل جاتے ہیں۔

اسکا نظارہ حرمین شریفین میں خوب ہوتا ہے اس لئے اسے موضوع بحث بنانا ہی نہیں چاہیے۔ جائز کاموں سے نہ تو منع کرنا چاہئے اور نہ ہی انہیں واجب کی طرح اپنانا چاہیے کیونکہ فقہاء حضرات کا فرمان ہے کہ جب کسی جائز کام کو واجب کی طرح پابندی سے ادا کرنا شروع کر دیا جائے تو واجب ہوجاتا ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے، تاکہ واضح ہوجائے کہ یہ واجب نہیں ہے۔

﴿دعائے مغفرت﴾

نمازِ جنازہ کے بعد اور قبل از دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دفن تک وہاں تشریف رکھتے تھے اور بعد از دفن دعائے مغفرت فرمایا کرتے تھے اور صحابہ کرام بھی تب تک وہیں رہتے تھے اور قبل از واپسی، اختتامی دعا کیا کرتے تھے۔

اب چونکہ سب لوگ دفن تک نہیں ٹھہر سکتے لہذا واپسی سے قبل اختتامی دعا مانگ کر چلے جاتے ہیں اور جو لوگ دفن تک وہاں رہتے ہیں وہ بعد از دفن دعا مانگتے ہیں، جانبین کے پاس دلائل ہیں، لہذا فتویٰ نویسی سے پرہیز کرنا چاہیے۔

﴿تعزیت اور دعائے مغفرت﴾

تعزیت کی حد تک تو کسی کو اعتراض نہیں ہے، رہا معاملہ دعائے مغفرت کا تو علامہ ثناء اللہ امرتسری صاحب، فتاوٰی ثنائیہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

''تعزیت کے لئے جائیں تو وہاں دعائے مغفرت کرنے میں حرج نہیں ہے''

اور علامہ سرفراز صاحب گکھڑوی راہِ سنت میں فرماتے ہیں کہ:۔

''تعزیت کے ساتھ دعائے مغفرت تحت سنت ہے''

لہذا ان معاملات میں جن جن دلائل پر جو مطمئن ہیں، ان پر عمل کریں اور دوسروں پر کیچڑ نہ اُچھالیں تا کہ امت میں اتحاد کی فضاء پیدا ہو۔

﴿درود شریف﴾

صلوٰۃ کے چند معنوں میں سے ایک معنیٰ رحمت ہے، جسے عرفِ عام میں درود شریف کہا جاتا ہے اور اگر اس کے معنیٰ تعریف لئے جائیں تو بھی ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی فرشتوں میں تعریف فرماتا ہے اور فرشتوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریفیں کرنے ہی کا حکم دیتا ہے اور وہ اس پر عمل پیرا ہیں، اور مومنوں کو بھی حکم ہے کہ

''صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' درود بھیجو! ان پر اور سلام بھیجو، سلام بھیجنا۔

بمعنیٰ رحمت (درود) تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پاک ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اگرچہ یُصَلُّوْنَ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کیلئے اکٹھا آیا ہے مگر معنیٰ وتشریح نسبت کے اعتبار سے ہوگی۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے اور فرشتے رحمتوں اور بلندیِ درجات کی دعا کرتے ہیں اور مومنوں کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے حق میں دعائے رحمت کرو اور سلام بھیجو۔

یہ آیت اترنے پر صحابہ کرام نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں سلام بھیجنے کا طریقہ تو پتہ ہے جیسا کہ التحیات میں پڑھتے ہیں صلوۃ کیسے بھیجنی ہے تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا صلوۃ کے معنیٰ ہیں رحمت اور رحمت کیلئے تم خود محتاج ہو۔ لہذا تم اپنا عجز و نیاز پیش کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں بطور دعا عرض کرو کہ اے اللہ تعالیٰ تو خود ہماری طرف سے رحمتوں کا نزول فرما اور الفاظ اس طرح سکھائے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

حکم تھا صلّوا، جواب ہونا چاہیے تھا اَنَا اُصَلِّی کہ میں رحمتیں بھیجتا ہوں مگر رحمتوں کے لئے انسان خود محتاج ہے لہذا عرض و دعا کرنا سکھایا گیا ہے۔

بعض حضرات یُصَلُّوْن کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پاک ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔ اس ترجمہ کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا کوئی نہیں رہے گا، مُراد قیامت کو اور نبی پاک ﷺ کا ذکر تب بھی ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور وہ نبی پاک ﷺ پر درود پڑھتا ہے اس طرح آپ ﷺ کا ذکر ہوتا رہے گا یہ بات کم علمی پر مبنی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تخلیق کے لحاظ سے سب کچھ حادث ہے، ازلی وقدیم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر بعض چیزوں کو دائمی بنایا ہے جو قیامت کو بھی فنا نہیں ہوں گی، مثلاً عرش، کرسی، لوح، قلم، بہشت، دوزخ، حوریں، غلمان اور پھر زمین و آسمان کی شکل و ہیئت بدلے گی، فنا نہیں ہو جائیں گے۔ ”یوم

تبدل الارض غیر الارض و السموات" (ابرہیم:48) ہماری قبریں بھی تو اسی زمین پر ہونگی تو یہ سب چیزیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہوں گی۔

"وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ" (بنی اسرائیل:44)

ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح و ذکر کو سمجھتے نہیں

یہ ہے سمجھتے خود نہیں اور پھر طرح طرح کے مضمون بناتے رہتے ہیں۔ یہ ترجمہ کرنے کے بعد پھر عجیب عجیب گمراہانہ قسم کے عقائد بنائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہا جاتا ہے کہ درود شریف ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ بھی کرتا ہے اور دوسرا کہ درود شریف وہ عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرتا ہے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِكَ، نقل کفر، کفر نباشد، ظالموں نے عبد کو معبود اور معبود کو عبد بنا دیا ہے اور یہ سارا کچھ محبتِ رسول میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

اور پھر تیسرا عقیدہ یہ بنایا گیا ہے کہ درود شریف اللہ تعالیٰ بھی پڑھتا ہے اور ہم بھی پڑھتے ہیں، لہٰذا اس فعل میں ہم اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، کسی قوالی وغیرہ میں باقاعدہ یہ شعر پڑھا گیا ہے "تیرا کوئی نہیں شریک، پر میں ہوں تیرا شریک، کیونکہ تو بھی حبیب پر درود پڑھے، میں بھی حبیب پر درود پڑھوں" یہ ہے کہ ترجمہ غلط کرنے سے کیسے کیسے مشرکانہ اور کفریہ عقائد بنائے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمتوں کا نزول فرماتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ پڑھتا ہے تو پھر وہ بھی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہتا ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی اور اللہ ماننا پڑتا ہے جس کے آگے اللہ تعالیٰ عرض و دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ بدعقائد سے پناہ دے۔ آمین۔

اور آیت میں مطلق درود شریف و سلام کا حکم ہے لہذا کوئی با آواز بلند پڑھے یا با آواز پست پڑھے، مجلس میں پڑھے یا تنہا پڑھے، اس کے علاوہ کھڑے، لیٹے اور چلتے پھرتے پڑھے ہر طرح جائز ہے، جہاں پر خصوصًا پڑھنا مقصود تھا جیسے نماز اور نمازِ جنازہ میں، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے اب یہ جو بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر، اذانوں کے ساتھ بلا وقفہ ملا کر پڑھنے کی پابندیاں کرائی جا رہی ہیں، یہ سب خانہ ساز طریقے ہیں، جن کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے آذان کے ساتھ درود شریف صلاح

الدین ایوبی نے کسی مصلحت کے تحت شروع کروایا تھا وقفہ رکھ کر پڑھا جائے تو جائز ہے۔ البتہ سنت نہیں ہے، لہٰذا اہل سنت کی نشانی سمجھنا خام خیالی ہے۔ رہا آذان کے بعد دعائے وسیلہ اور درود شریف پڑھنے والی مسلم شریف کی روایت کا تعلق، تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ یقیناً اس پر صحابہ کرام کا عمل تھا اسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

﴿محبتِ اہلِ بیت﴾

اہلِ بیت کی محبت مسلمانوں کیلئے جزوِ ایمان ہے اس پر کسی مزید تبصرے کی ضرورت نہیں لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ:۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ وارشاد کے صلہ (معاوضہ) میں اپنے اہلِ بیت کی محبت کا مطالبہ کیا ہے اور دلیل میں سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر:23 قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى پیش کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر مفسرین کرام نے چند طرح سے کی ہے، کہہ دیں کہ اس وعظ و نصیحت پر میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، یعنی کسی اجرت، معاوضہ وغیرہ کا مطالبہ نہیں کرتا، مگر میری جو تم سے رشتہ داری کی قرابت ہے اس کا خیال ولحاظ رکھو۔ اگر میری دعوت قبول نہیں کرتے نہ کرو میرا ساتھ نہیں دیتے نہ دو مگر میرے مشن میں میری مخالفت نہ کرو رکاوٹیں نہ ڈالو۔ قرابت داروں کی تو اکثر بے موقع بھی حمایت کر جاتے ہو۔ میری اگر حمایت نہیں کرتے، نہ سہی مگر روڑے نہ اٹکاؤ، مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو تا کہ میں آزادانہ اپنا سلسلہ تبلیغ جاری رکھ سکوں (مگر ایسا کب گوارا تھا کہ جس دعوت کو وہ خود قبول نہیں کر رہے تھے اسے پھیلانے کی اجازت عام دے دیں۔ کہ اگر وہ کامیاب ہو جائے تو انکے عقائد کا دیوالیہ ہو جائے)۔

دوسری تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ میں تم سے دعوت وتبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر اقرباء کی محبت، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء میں سے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن تھے ان کی محبت مانگنا کیا معنیٰ۔ رہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلِ بیتِ اطہار، تو آل پاک کی محبت، تعظیم وتوقیر تو مومنوں کے لئے جانِ ایمان ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ فِی الْقُرْبٰی کا معنیٰ قرابت والے نہیں، قرابت میں ہے، قرابت دار اگر کہنا مقصود ہوتا تو پھر الفاظ اس طرح ہونے چاہیے تھے اُولُوا الْقُرْبٰی، اُولِی الْقُرْبٰی، ذَا الْقُرْبٰی، ذَوِ الْقُرْبٰی وغیرہ اور پھر یہ آیات مکی ہیں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب کفار و مشرکین تھے، تو دشمن سے اپنے گھر والوں کی محبت کا مطالبہ یہ کوئی جوڑ نہیں۔

ایک اور مخصوص گروہ تو کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ساتھ جوڑتا ہے اور پھر اس کو بھی انہوں نے محدود کر دیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت مائی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما تک جیسا کہ آیت تطہیر میں باقی سب اہلِ بیت کو فارغ کر دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی یہاں محبت میں باقی سب کو الوداع کہہ دیا جاتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ تک اپنے اور اپنے اہلِ بیت کے لئے جائز نہ رکھ کر ثابت کر دیا کہ ہمارا یہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بے لوث نصیحت و خیر خواہی ہے جس پر معاوضے کا تو گمان بھی نہیں کیا جا سکتا اہلِ بیت اقرباء کی محبت مانگ لیں تو باقی کیا رہ جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ایک مبلغ اور دَاعِی اِلَی اللہ کا قرآن پاک نے معیار کیا بیان کیا ہے۔

''اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ'' (سورہ یٰسین:21)

ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے تبلیغ پر کوئی اجر نہ طلب کریں اور وہ خود ہدایت یافتہ ہوں۔

ایسا نہ ہو کہ تم سے اجر تو نہ مانگیں مگر ہوں گمراہ، اب سابقہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کار دیکھنا ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (سورہ یونس:72)

میں تم سے تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔

وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (سورہ ہود 29)

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورہ الشعراء:109)

حضرت ھود علیہ السلام بھی یہی فرماتے ہیں:۔

یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ (سورہ ھود 51)

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ الشعراء:127)

حضرت صالح علیہ السلام:۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ الشعراء:145)

حضرت شعیب علیہ السلام:۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ الشعراء:180)

باقی سب انبیاء ورسل تو کسی قسم کے اجر ومعاوضہ سے انکار کر رہے ہیں مگر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ الزام دیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقرباء (اہلِ بیت) کے لئے محبت مانگی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ انہیں معصوم اور خدائی اختیارات کے حامل مانا جائے (اَسْتَغْفِرُ اللہَ)۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے گواہی لیتے ہیں کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبتِ اہلِ بیت مانگی ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (سورہ الانعام:90)

نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر، یہ تو نصیحت ہے، جہان والوں کے لئے۔

اسی طرح ''قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا'' (سورہ فرقان:57) اور

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (سورہ السبا:47)

اور قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (سورہ ص:86)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ میں کوئی اجر و بدلہ نہیں مانگتا، مگر محبانِ اہلِ بیت (برائے نام) اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے، اللہ تعالیٰ ہی انہیں سمجھائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہیاں موجود ہونے کے باوجود، جو نہ مانے، وہ اپنا رُخ دیکھ لے، کدھر کا ہے۔

بعض سلف نے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری آپس میں ایک دوسرے سے محبت ہو اور حقِ قرابت پہچانو اور بعض علماء نے قُربٰی سے اللہ تعالیٰ کا قرب ونزدیکی مُراد لی ہے جس پر سورہ الفرقان کی آیت:57 ''اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا'' کہ جو چاہے اپنے رب

کی طرف راہ پکڑے" پیش کی جاتی ہے اور ایک تفسیر اور بھی کی گئی ہے۔ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے معنٰی یہ کئے گئے ہیں کہ مجھے جو تم سے قرابت داری کی محبت ہے تمام انبیاء علیھم السلام کو پہلے خویش و اقرباء سے تبلیغی سلسلہ شروع کرنے کا حکم دیا جاتا رہا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی سورہ الشعراء کی آیت 214 میں حکم دیا گیا "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" کہ اپنے قریبیوں کو خبردار کرو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اقرباء کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے مخلوقِ خدا کی رُشد و ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور میری جو تم سے قرابت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ میں سب سے پہلے تم سے ہی شروع کروں، تمہاری عاقبت سنوارنیکی کوشش کروں، اور اس پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا بلکہ یہ ایک نصیحت ہے اور اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔

سورہ الانعام کی آیت: 90 "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا" نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر یہ تو صرف جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے۔ نصیحت پر کوئی اجر و معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ یہ تو خالص خیر خواہی ہوتی ہے جسطرح کہ سورہ الفرقان کی آیت: 57

"قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا"

اجر و مزدوری والی بات نہیں یہ تو رب کی طرف راہنمائی کرنا ہے اگر کوئی ادھر آنا چاہے۔

اور سورہ السباء کی آیت 47 "قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ"

جو اجر مانگوں تو وہ تمہارے ہی لئے ہے یعنی تم راہِ راست پر آجاو، تمہاری آخرت سنور جائے۔ اور سورہ ص کی آیت 86 "قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ"

کہ اجر نہ مانگ کر میں کوئی بناوٹ نہیں کر رہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے تبلیغ و ارشاد پر معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس بوجھ سے جان چھوڑانے کے لئے ادھر رُخ نہیں کرتے۔ سورہ یوسف آیت 104، سورہ المومنون آیت 72، سورہ الطور آیت 40، سورہ القلم آیت 46، اللہ تعالیٰ کی بھی چار گواہیاں ہوگئی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی اجر نہیں مانگا۔ اب دیکھ لیں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور تبلیغ کن عقائد کی ہو رہی ہے۔

﴿پنج تن، بارہ امام، چودہ معصوم﴾

اہلِ بیت اطہار میں سے اپنی مرضی کی ہستیوں کو چُن کر عجیب، عجیب عقائد بنائے گئے ہیں۔ آیتِ تطہیر اگرچہ ازواجِ مطہرات کے سلسلہ میں اتری ہے اسکا سیاق وسباق اس پر کھلی شہادت ہے مگر اہلِ رداء جنہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر پاک میں لے کر ''اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھۡلُ بَیۡتِیۡ'' کی صدا لگاتے ہوئے انہیں بھی آیتِ تطہیر کے مژدہ میں شامل فرمایا لیکن بعض حضرات نے اپنے مخصوص عقائد کے پیشِ نظر اہلِ رداء کو پنجتن پاک کا خطاب دیا جو کہ خالص فارسی زبان کے الفاظ ہیں، نہ تو یہ دینی وشرعی اصطلاح ہے اور نہ ہی اس پر عربی زبان کے الفاظ ملتے ہیں، اب ظاہر ہے کہ صبائی ذہن کی یہ اختراع زمانہ بعد کی ہے اور پھر اسے منوانے کے لئے قرآنی آیات میں توڑ مروڑ سے کام لیا جاتا ہے۔

ازواج مطہرات کے لئے اہلِ بیت ہونے کا ثبوت اسی آیت تطہیر کے سیاق وسباق میں الفاظ، فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ سے مل جاتا ہے اور بیویوں کو اہلِ بیت، گھر والیاں کہنا قرآن پاک کی دوسری آیات سے بھی ثبوت مل جاتا ہے جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت 23 میں عزیزِ مصر کی بیوی کے متعلق کہا گیا کہ ھُوَ فِیۡ بَیۡتِھَا، وہ اس کے گھر میں تھا گھر کو اس عورت سے منسوب کیا، جہاں یوسف علیہ السلام رہ رہے تھے اور پھر سورہ الطلاق کی آیت: 01 لَا تُخۡرِجُوۡھُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِھِنَّ، میں طلاق ہو جانے کے باوجود گھر کی نسبت اس عورت سے کی گئی ہے، نہ نکلیں وہ اپنے گھروں سے، رہی بات کُم ضمیر کی کہ یہ تو جمع مذکر کے لئے آتی ہے تو اسی ضمیر کے ساتھ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو فرشتوں نے مخاطب کیا ہے:

اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ (سورہ ہود: 73)

اور اسی ضمیر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ کو خطاب فرمایا ہے:۔

اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَھۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡھَا بِخَبَرٍ '' (سورہ النمل: 07)

ان آیات کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی البتہ اس سلسلہ میں اہلِ رداء

والی حدیث پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین کریمین رضی اللہ عنھما، دونوں بھائیوں اوران کے والدین ماجدین کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا تھا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی، اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں اس سے کب مراد ہے کہ یہی میرے اہل بیت ہیں، ازواج مطہرات کو تو خود اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی، اے اہل بیت کہہ کر مخاطب فرمایا ہے اور اہلِ رداء کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر میں لے کر اظہار فرمایا کہ یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں اور اس خطاب کے مستحق ہیں، بیٹے، بیٹیاں، بہو، داماد وغیرہ سب ہی اہلِ بیت ہوتے ہیں اس کی وضاحت بھی سورہ الذریات آیت: 36 فَمَا وَجَدْنَا فِیْھَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ، میں موجود ہے۔

تو واضح ہو گیا کہ طرفین اہل بیت اور اس خطاب کے مستحق ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری بیٹیاں اور حضرت مائی فاطمہ رضی اللہ عنھا کی بیٹیاں بھی شامل ہیں لیکن بعض حضرات نے عجیب سینہ زوری سے اس حدیث کی بناء پر یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ آیت میں مخاطب صرف یہی پانچ ہستیاں ہیں، جو کہ چادر میں تھے اور صرف یہی پانچ پاک ہیں اسی لئے پنج تن پاک والی اصطلاح گھڑ لی گئی ہے اگر یہی عقیدہ بنا لیا جائے تو پھر باقی اہلِ بیت اور صحابہ کرام کِس کھاتے میں گئے جب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت ہے یُزَکِّیْھِمْ، انہیں پاک کرتا ہے اگر کہا جائے کہ یہ تو تزکیہ ہے تطہیر نہیں تو سورہ التوبہ آیت 103 دیکھ لی جائے جس میں تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ، موجود ہیں ان کی تطہیر اور تزکیہ فرمائیں اور چادر میں تو حضرت مائی ام سلمہ رضی اللہ عنھا بھی شامل تھیں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ مَرَّتَیْن، پہلے قرآنی خطاب سے اور اب چادر میں شامل ہو کر۔

عقائد کے لئے جذبات نہیں بلکہ ٹھوس دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اس سے بڑھ کر چودہ معصوم والا عقیدہ بنایا گیا ہے خدا کے بندو! تمہارے ہی عقیدہ کے مطابق تطہیر تو صرف پانچ ہستیوں کی ہوئی ہے تو پھر باقی نو جو تطہیر ہی میں شامل نہیں ہیں یہ معصومیت میں کیسے شامل ہو گئے ہیں اور اگر معصوم تھے تو پھر تطہیر کا کیا مطلب جبکہ انسانوں میں سے معصوم صرف انبیاء علیھم السلام ہوتے ہیں، یا صاف کہہ دیں کہ اس لفظ کی آڑ میں ان بارہ کو بھی انبیاء میں شامل کرنا مقصود ہے اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

اعلان ہونے کے بعد کسی کو نبی کہنا تو آسان نہیں رہا لہذا امامت کی اصطلاح گھڑ لی گئی ہے اور پھر اس پر بھی اتحاد نہیں رہ سکا تو ایک گروہ نے بارہ پر جا کر دم توڑ دیا اور ستم یہ کہ بارھویں امام صاحب غار میں جا کر غائب ہو گئے ان کے نکلنے کا انتظار جب بہت لمبا ہو گیا تو ایران میں ایک صاحب نے یہ سیٹ خالی دیکھ کر قبضہ کر لیا اسطرح بارہ کا عقیدہ رکھنے والوں کا عقیدہ بھی ترقی کر کے تیرہ تک پہنچ گیا۔

اور دوسری شاخ تو پچاس کی حد کو عبور کر چکی ہے اس طرح اس چور دروازے سے اندر خانے نبوت بنام امامت چل رہی ہے اور پھر خلافت راشدہ سے خلفاءِ ثلاثہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلافت وولایت سے خارج کرنے کیلئے ظاہری اور باطنی کا عقیدہ چلایا گیا اور پھر کہا گیا کہ ولایت چلی ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ لہذا امامِ اول حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں بلاشبہ آپ رضی اللہ عنہ امام ہیں مگر آپ رضی اللہ عنہ کے اماموں کو بھی ماننا پڑے گا، خلفائے ثلاثہ کو آپ رضی اللہ عنہ نے باری باری خلیفہ و امام دل و جان سے مانا۔ خلافت کے لئے ان کے چناؤ کیلئے مشورہ دیتے رہے، انکے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، انہیں اپنے بہترین مشوروں سے نوازتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) کوئی منافق تو نہ تھے کہ ظاہراً کچھ اور کرتے تھے اور دل میں کچھ اور ہوتا تھا۔

بلاشبہ خلافت کے سلسلہ میں نصِ قطعی، قرآن وحدیث سے کسی سے متعلق نہیں ملتی، یہ صحابہِ کرام رضی اللہ عنہم کا فیصلہ ہے انکے طریقے کو قرآن نے سَبِیۡلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کہا ہے،

وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ،(النساء:115)

اور پیروی کرے سوائے مومنوں کے راستے کی ہم پھرا رہنے دیں گے جدھر وہ پھرا اور داخل کریں گے اسے جہنم میں۔

صحابہِ کرام رضی اللہ عنہم سے جُدا راستہ اختیار کرنے والے اس تنبیہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے عقائد کا قبلہ درست کر لیں۔ ایک اور عقیدہ بلا کسی سند و نص کے بنایا گیا ہے کہ امتِ محمدیہ میں طریقت وولایت جسے بھی ملی ہے، آپ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ ہی سے ملی ہے، بلاشبہ آپ سردارِ اولیاء

ہیں، مگر اپنے سے بعد والوں کے، نہ کہ اپنے سے پہلے خلفاء راشدین کے بھی۔ فضیلت میں آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہلِ بیت سے افضل ہیں مگر اپنے پیش رو خلفائے ثلاثہ کے بعد اسی طرح سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ امتِ محمدیہ کے تمام اولیاء کے سردار ہیں، مگر وہ بھی اپنے سے بعد والوں کے، نہ کہ اپنے سے پہلوں کے، ورنہ پھر دیگر خلفاءِ راشدین کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو حسبِ استعداد نوازا ہے۔ لہذا اپنی طرف سے عہدے تقسیم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

ایک عقیدہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صحابہ میں شمار نہ کیا جائے کیونکہ وہ نفسِ رسول تھے، اتنے بڑے مرتبہ سے انہیں خارج رکھنا یہ ان سے وفاداری نہیں اور کچھ ان پڑھ سادات اپنے آپ کو امتی نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سید ہیں اور تم امتی ہو اور بعض اَن پڑھ عوام بھی کہہ دیتے ہیں کہ تم سید ہو اور ہم امتی ہیں۔ امت رسول کی ہوتی ہے نہ کہ سیدوں کی۔

﴿اولیاء الرحمٰن مِن آیات القرآن﴾

بلاشبہ ولایت دو قسم کی ہے، ایک وھبی اور دوسری کسبی۔ وھبی والے تو پیدائشی طور پر ہی اپنے اندر کچھ آثار رکھتے ہیں، جن میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور کسبی والے کثرتِ نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے رہتے ہیں۔

حدیثِ قدسی: ''لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِنَوَافِل''

لگاتار میرا بندہ نفلی عبادت سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

مگر یہ ہوتا اس طرح ہے کہ اس کے نواہی یعنی منع کردہ کاموں اور چیزوں سے مکمل پرہیز اور اوامر یعنی جن کاموں کا حکم ہے ان پر بمطابق سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائمًا گامزن رہنے اور ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے

''وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا'' (المزمل:8)

اپنے رب کا ذکر اس قدر اور اس انہماک سے کرو کہ تمہیں تبتل حاصل ہو جائے۔

قلبی لگاؤ ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ہی ہو کر رہ جاؤ اس میں کوشاں رہ کر مرتبہِ احسان پر پہنچتے ہیں۔

''وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا'' (الفرقان:72)

جب کبھی فضول و بے ہودہ، واہیات، کھیل تماشے کے کاموں کے پاس سے گزرنا پڑے تو بزرگی رکھ کر یعنی بغیر ادھر اُدھر توجہ کیے گزر جاتے ہیں۔

نہ کہ خود ڈھول ڈھمکے کی محفلیں سجا کر ناچ گانا کرتے، دھمالیں ڈالتے، اللہ اللہ کی بجائے علی علی کرتے پھرتے ہیں۔ علی کے ملنگ ہیں۔ نماز، روزے سے تنگ ہیں۔ پیتے چرس اور بھنگ ہیں۔ کوئی منع کرے تو کرتے اس سے جنگ ہیں۔ چرس کا سُوٹا لگا کر دمادم مست قلندر اور بھنگ کا پیالہ پی کر ڈکار مارتے ہوئے یا علی کا نعرہ لگانے والے مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ، (ابن ماجہ) جو چیز زیادہ مقدار میں کھانے، پینے سے نشہ دے وہ تھوڑی بھی حرام ہے تو کیا یہ حرام خور شرعی فرائض سے اپنے آپ کو آزاد جاننے والے بے دین ولی ہو سکتے ہیں، آگ جلا کر اسے حضرت علی کا مچ کہہ کر اسکی پوجا کرنے والے مجوسی ولی تو دور کی بات ہے مسلمان بھی نہیں۔

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ آگ کی پوجا کیا کرتے تھے کہ یہ انکی اتباع کر رہے ہیں، اور آؤ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں بندگانِ خدا، اولیاء اللہ کے کیا اوصاف ملتے ہیں سورہ یونس آیت 62، میں جنہیں اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ کہا گیا ہے

اسی سورت کی آیت 63 میں ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ، جو ایمان لانے کے بعد پرہیز گار ہی رہے یعنی حرام چیزوں سے اور منع کردہ کاموں سے بچتے رہے۔

پھر سورہ الفرقان آیت 63 وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں متکبر نہیں ہوتے اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوں یعنی جاہلوں سے واسطہ پڑ جائے تو سلام کہہ

کر چل دیتے ہیں۔ یہ سلام متارکت ہوتا ہے الجھتے نہیں۔

''وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا'' (سورہ الفرقان:64)

اور جو راتوں کو اپنے رب کے لئے سجدوں اور قیام میں گزارتے ہیں، ساری ساری رات سوئے ہوئے غفلت میں نہیں گزار دیتے۔

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ (سورہ الذریات:17)

تھوڑا ہے جو رات کو وہ سوتے ہیں۔ اور

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (سورہ السجدہ:16)

ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، اپنے رب کو خوف اور امید کی حالت میں پکارتے ہیں۔

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (سورہ الذریات:18)

اور سحری کو وہ استغفار کرتے ہیں۔ یعنی عبادت پر وہ نازاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے لرزاں رہتے ہیں اور

''وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ'' (سورہ الفرقان:68)

اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہیں پکارتے یعنی کسی دوسرے کو معبود مانتے ہی نہیں۔

وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل:33)

اور نہیں قتل کرتے کسی جان کو جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی یعنی کسی جان کو بلاوجہ قتل کرنا، مارنا حرام ہے، مگر ساتھ حق کے۔

یعنی جہاد اور قصاص وغیرہ میں۔ ''وَلَا یَزْنُوْنَ'' اور نہ ہی زنا کار ہوتے ہیں، ہر حرام فعل سے بچنے والے ہوتے ہیں۔

''اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ'' (سورہ آل عمران:191)

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یعنی کسی حال میں بھی غافل نہیں ہوتے۔

''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ'' (سورہ النور:37)

یہ ایسے مردانِ خدا ہیں کہ انہیں تجارت، خرید وفروخت اور دیگر کام ومعاملات اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے اور نماز باقاعدگی سے قائم رکھتے ہیں، (حرمین شریفین کے بہانے نہیں کرتے کہ سرکار وہاں پڑھتے ہیں، نہ یہاں نہ وہاں یہ جیب کترے، جہاں لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں وہاں اپنی بھی آخرت خراب کرتے ہیں، خود تو ڈوبے تھے صنم، ساتھ تم کو بھی لے ڈوبیں گے ہم۔ خود نماز، روزے سے عاری ہیں ہی، دوسروں کے لئے بھی برا نمونہ بنتے ہیں) اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، جو کچھ ہم نے انہیں عطاء کیا ہے اس میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (سورہ الفرقان:67)

وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی کتراتے ہیں۔ یعنی نہ ہی بخل کرتے ہیں۔

''یہ ایسے اللہ کے بندے ہیں کہ نہ تو زمین میں اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد چاہتے یا پھیلاتے ہیں۔ (سورۃ القصص:82)

دنیا میں فساد ہوتے ہی بڑائی کی دوڑ میں ہیں، تو یہ اس سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ

(سورہ الشوریٰ:37)

اور وہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی سے بچتے ہیں، یہ مردانِ خدا ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (سورہ الفرقان:72)

برائی کے کاموں اور بے حیائی کے ٹھکانوں پر حاضر ہی نہیں ہوتے اور نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں، جھوٹے معاملات میں پڑتے ہی نہیں۔

''وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ'' (سورہ الشوریٰ:38)

اور وہ رب تعالیٰ کے احکامات قبول کرنے (ماننے) والے ہیں یہ اشاروں پر دھیان رکھتے ہیں کہ جدھر کا اشارہ ملے لپکیں، گویا کہ

مصور دیکھنا میری تصویر یوں بنائی ہو

ادھر حکمِ خدا ہو اُدھر گردن جھکائی ہو

''وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ'' (سورہ الشوریٰ:37)

جب انہیں غصہ آجائے تو وہ بخش دیتے ہیں۔

''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' (سورہ ال عمران:134)

غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں یعنی لوگوں کی زیادتیوں اور بدسلوکیوں کا بدلہ نہیں لیتے۔

''وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ'' (سورہ الرعد:22)

رب تعالیٰ کی رضا مندی چاہتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور لوگوں کی برائیوں کا بھلائیوں سے جواب دیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ، (سورہ المومنون:57)

بے شک وہ اپنے رب کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں کہ کہیں اس بارگاہِ بے نیاز سے دور نہ جا پڑیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ

(سورہ المومنون 59,58)

وہ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ نہ اسکی ذات میں نہ صفات میں، نہ احکام میں، نہ عبادت میں، وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا کامل نمونہ ہوتے ہیں۔

''اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ'' (سورہ المومنون:61)

وہ نیکیوں میں جلدی کرنے والے اور ان میں سبقت (پہل) کرنے والے ہوتے ہیں۔ منافقوں کی طرح ''قَامُوْا كُسَالٰى'' والے نہیں ہوتے، بلکہ وہ غیب میں بھی یعنی جہاں انہیں کوئی نہ دیکھنے والا ہو، وہاں بھی ایمان پر قائم رہنے والے ہوتے ہیں۔

''الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' (سورہ البقرہ:3)

اور پھر ”وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ“(سورہ البقرہ:04)، وہ آخرت پر پورا پورا یقین رکھنے والے ہوتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ جگ مٹھا، اگلا کس ڈٹھا، یعنی یہ جہاں میٹھا ہے اور اگلا جہاں کس نے دیکھا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والے آخرت کے متعلق ڈنواں ڈول ہیں۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ،(سورہ التوبہ:112)

توبہ کرنے والے یعنی کسی بھول چوک، حتی کہ بغیر خطاؤں کے بھی توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں۔ دائمًا عبادت گزار ہوتے ہیں۔ استقامت سے قائم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تعریفیں بیان کرنے والے ہوتے ہیں، نہ کہ اس کی شان سے بعید باتیں اس کے متعلق کرتے ہیں، روزے رکھنے والے ہوتے ہیں، رکوع وسجود میں وقت گزارنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، فرض نمازوں کے علاوہ نوافل ادا کرتے ہیں، لوگوں کو نیک اعمال کی تلقین کرتے ہیں اور اچھے مشورہ دینے والے ہوتے ہیں۔ اور برے اعمال سے منع کرنے والے اور خود حدود اللہ کی محافظت کرنے والے ہوتے ہیں، یعنی ایسے نہیں کہ دوسروں کو نصیحت اور خود را فضیحت۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ،(سورہ الشوریٰ:38) اور اپنے معاملات مشاورت سے طے کرتے ہیں، ایسے نہیں کہ اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھ کر دوسروں کو حیثیت ہی نہ دیں، بس دمادم اللہ تعالیٰ کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ البتہ مجذوب لوگوں کا معاملہ اور ہوتا ہے، اس پر تبصرہ نہیں۔

﴿بیعت وطریقت﴾

یہ قرآن وسنت سے ثابت شدہ ہیں، جہاد کے علاوہ توحید ونیک اعمال پر قائم رہنے کے لئے مرد اور عورتیں دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بیعت لیا کرتے تھے، صحابہ کرام کے بعد امت میں یہ سلسلہ لگاتار جاری رہا ہے۔

اور طریقت کیا ہے؟ مرتبہ احسان و تبتّل (جسکا حکم ہے) حاصل کرنے کے لئے مجاہدات

کرنا ''وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا'' اور جو مجاہدے کرتے ہیں، ہمارے لئے ہم انہیں ہدایت دیتے ہیں اپنی راہ کی، اللہ تعالیٰ انہیں الہاماً ان پک ڈنڈیوں کی راہنمائی کرتا رہتا ہے، جو صراطِ مستقیم پر استقامت کا سبب بنتی ہیں، پھر جس کو جس مجاہدہ وریاضت سے فائدہ ہوتا ہے یعنی روحانی طور پر قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، وہی وہ اپنے متوسلین کو سکھاتے اور تربیت کرتے ہیں، تو پتہ چلا کہ شریعت پر استقامت کیلئے جو کوشش کی جاتی ہے، طریقت وہی ہے یہ کوئی خلافِ شریعت کام نہیں ہے۔

رہے مجاہدات وغیرہ تو انہیں بھی بدعت کہنے میں احتیاط کرنی چاہئے کیونکہ ایک بدعت ہوتی ہے ''فِي الدّين'' اور دوسری ''لِلدِین''۔ مذموم وہ ہے جو ''فی الدین'' ہو کیونکہ وہ دین میں ہے اور جو ''لِلدِین'' ہے تو وہ دینی مطالبہ پورا کرنے کے لئے ہے، مثلاً حکم ہے کہ

اُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو، وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ، اور غافل نہ ہو، اس پر دوام کیلئے مجاہدات کیے جاتے ہیں۔

لہذا یہ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة، میں نہیں آتے ورنہ پھر مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً، کے کیا معنی رہ جائیں گے، اس طرح تو پھر جدید انداز میں جو دینی کام ہو رہے ہیں، وہ سب بدعت کے کھاتے میں چلے جائیں گے، بعض حضرات نے تو صحابہ کرام کو بھی بدعتی کہے بغیر نہیں چھوڑا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیہ ہے کہ

''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ'' (سنن ابی داؤد)

کہ تم پر میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت لازم ہے۔

مگر کہنے والوں نے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیس رکعت نمازِ تراویح قائم کرنے کو بھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دوسری آذان جمعہ جاری کرنے کو بھی بدعت کہہ دیا ہے۔ تحتِ سنت چیزوں کو بدعت نہیں کہہ دینا چاہیے البتہ مجاہدات میں مشتبہ چیزوں سے پرہیز درست ہے، مگر حلال چیزوں کو بھی ترک نہیں کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، کنٹرول جس پر کرنا ہے وہ خواہشات ہیں نہ کہ ضروریات اور حلال چیزوں سے بھی پرہیز اور نہ بناوٹی زہد وتقوی کو لوگوں کے

مال بٹورنے کا ذریعہ و بہانہ بنایا جائے۔رام رام جینا پرایا مال اپنا والی کاروائی سے خوفِ خدا ہونا چاہئے۔

بعض لوگ جنّات والوں اور عاملوں کو ولی سمجھ کر اپنا پیر و مرشد بنا لیتے ہیں،وہ دوسروں کی خاک راہنمائی کریں گے جوخود ہی گمراہ ہوتے ہیں،لوگ ان کے کرتب دیکھ کر،ان کی کرمات سمجھ لیتے ہیں، اس طرح ان کے ہتھے چڑھ کر دولت بھی لٹاتے ہیں اور اکثر ایمان بھی برباد کر بیٹھتے ہیں،لہذا ایسے راہ زن،لٹیروں سے ہوشیار باش،تعویذ گنڈوں کے کاروباریوں سے بھی پرہیز،کیونکہ ایسے لوگ مال کماؤ فراڈیئے ہوتے ہیں،یہ مال کے ساتھ ساتھ لوگوں (عورتوں) کی عزتیں بھی لوٹتے رہتے ہیں۔کئی بار اخبارات اور میڈیا میں ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔

لہذا خبردار رہیں،اللہ تعالیٰ تعویذوں وغیرہ پر کام بنانے پر مجبور نہیں اور نہ کلام الٰہی سے دم کرنا یا اسماء وصفات کی تاثیر حاصل کرنے کے لئے تعویذ لکھنا شرک ہے ہاں جادو اور جنّات سے مدد حاصل کرنے کے لئے انکے ناموں پر لکھے جانے والے تعویذ شرک ہیں۔

﴿مشیت ورضا﴾

مشیت اور چیز ہے اور رضا اور،بعض حضرات فرق نہ ملحوظ رکھتے ہوئے مشیت کو رضا سمجھ بیٹھتے ہیں،جیسے کافر و مشرک بے دین لوگ اپنی دنیوی ترقی،مال ومتاع دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اللہ ہم پر راضی ہے اسی لئے تو ہمیں ان نعمتوں سے نواز رکھا ہے جبکہ معاملہ کچھ اور ہے:۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (سورہ الانعام:44)

پس جب بھلادی نصیحت جو وہ کیے گئے تھے،تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔

تو پتہ چلا کہ یہ نعمتوں کی بہتات نہیں،بلکہ پکڑ کا سامان ہے،اللہ تعالیٰ نے دین میں جبر نہیں رکھا۔لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، اچھا اور بُرا سب واضح کر دیا، قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ، هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ، دونوں گھاٹیاں بتا دیں ہم نے اسے،اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے،اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ، جو چاہو کرو۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ، (کہف:29)

پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3)

بے شک ہم نے ہدایت دی اسے راہ کی خواہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا بنے۔

یہ ہے بیان اسکی مشیت کا، اب دیکھتے ہیں رضا کیا ہے۔

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر:7)

اور نہیں ہے راضی (نہیں پسند کرتا) اپنے بندوں کے لئے کفر کو، اور اگر شکر گزار بنو گے تو اسے پسند کریگا تمہارے لئے۔

یہ ہے رضا، یعنی اللہ تعالیٰ کفر، شرک، برائی، منافقت اور ناشکری پر راضی نہیں ہے۔ مشیت یہ ہے کہ جو کچھ کرنا چاہیں، کرلیں، مگر راضی صرف اپنی رضا کے کاموں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ ''اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى'' ہمارے ذمہ ہدایت دینا ہے۔

اور پھر فرمایا:۔ ''كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَه ثُمَّ هَدٰى'' ہر ایک چیز کو تخلیق دی پھر اسے ہدایت (راہنمائی) کردی۔ اب جو کوئی ہدایت کا متلاشی ہو اسے اس سے نوازتا ہے وَ يَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ، اور مَنْ ضَلَّ جو کوئی گمراہی اختیار کرے۔

ایسے لوگوں کے لئے فرمایا ہے:۔

''نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ'' (الانعام:110)

اور چھوڑ دیتے ہیں ہم انہیں، انکی سرکشی میں سرگرداں، یعنی جبراً اللہ تعالیٰ نہ کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے، اب اپنی بے راہ روی کا الزام اللہ تعالیٰ کو دینا، جیسے شیطان نے کہا تھا فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ، تو نے مجھے گمراہ کیا اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو فطرت سلیم عطاء فرمائی ہے اور اسے استعداد و صلاحیت سے نوازا ہے۔ اب جو لوگ فطرت سلیم کی قدر کرتے ہیں اور اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو تلاش حق میں صرف

کرتے ہیں، مَن یُنِیب، رب تعالیٰ ایسوں ہی کو ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے۔ لہذا انہیں توفیق دے کران کی راہیں کھول دیتا ہے اور جوفطرت سلیم کی ناقدری کرتے ہوئے اپنی استعداد وصلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں، ایسوں کے لئے رب تعالیٰ کی بھی یہی مشیت ہے کہ بھٹکتے رہیں۔ لہذا انہی راہوں پر چھوڑ دیتا ہے، جدھر کا انہوں نے رُخ کیا، رب تعالیٰ کسی کو جبرًا کسی راہ پر نہیں ڈالتا۔

﴿تقدیر کا بہانہ﴾

بلاشبہ تقدیر کے معاملہ میں کھود کرید کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ غور وخوض میں ہچکولے کھاتے ہوئے آدمی شیطان کے ہاتھوں میں نہ کھیلنا شروع کر دے تقدیر کے متعلق مختصر لفظوں میں یہ سمجھ لیں کہ ''تقدیر ہے اللہ تعالیٰ کا علمی اندازہ''۔

اللہ تعالیٰ کا اندازہ ہمارے اندازوں کی طرح نہیں ہے جو اکثر فلک ہوتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا علمی اندازہ حتمی اور کلی ہے، اس میں اگر کہیں تبدیلی ہونی ہے تو وہ بھی اس کے اندازہ میں ہے اور اس میں تبدیلی کے ذرائع ووسائل کیا ہوں گے، وہ بھی اس کے علم میں ہیں، کس نے کب کیا کرنا تھا اور کیا کرنا ہے، یہ اُسے ازل سے علم تھا اور ہے، اسی تقدیر کو اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی تخلیق سے قبل ہی لوحِ محفوظ پر لکھ رکھا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت یہ کام کرے گا پھر اس کے ساتھ ایسا ہوگا، لوح پر خبر لکھی ہوئی ہے کہ فلاں وقت، فلاں آدمی یا چیز یہ کام کرے گا یہ خبر ہے، امر نہیں۔ یہ نہیں لکھا ہوا کہ تو یہ کام کر، اگر یہ لکھا ہوتا تو پھر اگر وہ غلط ہوتا تو ہمارا کوئی قصور نہ تھا کیونکہ ہم نے تو امر کی یعنی حکم کی تعمیل کی اور اگر وہ اچھا ہوتا تو بھی حکم کی تعمیل تھی، ہم نہ قصور وگناہ پر مستحقِ عذاب تھے اور نہ نیکی وبھلائی پر مستحقِ ثواب تھے کہ امر تھا جو پورا ہوا تو پھر سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ خبر ہے یہ آدمی یہ کام کرے گا اور یہ کام نہیں کرے گا۔

لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ، دین میں جبر نہیں رکھا گیا۔

''فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ'' (البقرۃ:256)

پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔

''قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ'' (الکہف:29) تحقیق واضح کردی گئی ہدایت (بھلائی) کجی سے۔

اب ہم اپنے انتخاب سے بھلائی یا برائی کرتے ہیں اور اس کے مطابق عذاب وثواب کے مستحق ٹھہرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بھی یہی مشیت ہے کہ جو کچھ کوئی کرنا چاہتا ہے کرلے اور یہی لکھا ہوا ہے۔

﴿دین﴾

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام'' (آل عمران:19)

بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

یعنی سلامتی کا دین، دین کے معنیٰ ہیں نظامِ حیاب، بعض حضرات اسلام کو دین کی بجائے مذہب کہہ دیتے ہیں جبکہ مذہب کو دین کا حصہ و جز تو کہا جا سکتا ہے، اس کے قائم مقام نہیں کہا جا سکتا۔ دین اصولِ زندگی دیتا ہے، مذہب، فقہی اور استنباطی مسائل کو کہا جاتا ہے، مثلاً فقہہِ حنفی، فقہہِ مالکی، فقہہِ شافعی، فقہہِ حنبلی یہ تمام مذاہب ہیں نہ کہ دین اور دین اسلام شروع سے یعنی آدم علیہ السلام سے آرہا ہے نہ کہ چودہ سو سال سے ہے جیسا کہ بعض حضرات کہہ دیا کرتے ہیں دوسری قوموں کو جو، اب مسلمان نہیں کہا جاتا تو یہ ان کے خود اسلام سے نکل جانے کی بناء پر ہے، یہودیوں نے آخری دو نبیوں کا انکار کر کے اسلام سے بغاوت کی اور عیسائیوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کر کے بغاوت کی اور اسلام سے خارج ہوئے ورنہ پہلے وہ بھی مسلم ہی تھے۔

﴿نبوت اور اعلان نبوت﴾

اس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملی تھی، چالیس سال کی عمر پر اعلانِ نبوت کیا تھا نہ کہ نبوت ملی تھی۔ نبی تو عالمِ بالا (عالمِ ارواح) میں بھی نبی ہوتا ہے، نبی ماں کے پیٹ میں بھی نبی ہوتا ہے، نبی ولادت والے دن بھی نبی ہوتا ہیا ور اعلان نبوت والے دن بھی نبی ہوتا ہے۔

اعلانِ نبوت بعض انبیاء نے چالیس سال کی عمر سے پہلے بھی (بحکمِ الٰہی) کیا ہے اور اسی

کے مطابق تبلیغ بھی کی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر سے پہلے ہی اعلانِ نبوت کیا اور تبلیغ شروع کر دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو پہلے ہی دن لوگوں میں پہنچنے پر، ان کے اعتراض کے جواب میں فرما دیا تھا

''قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا'' (سورہ مریم:30)

میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے۔ چونکہ یہ اٹل فیصلہ تھا۔

لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ (سورہ آل عمران:81) البتہ میں تمہیں کتابیں عطاء کروں گا۔

اکثر مفسرین یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ عالمِ ارواح میں عہد ہوا تھا، اسی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتاب ملنے کا اعلان کیا تھا اور وہی عیسیٰ علیہ السلام خوشخبری سُنا رہے ہیں،

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (سورہ الصّف:06)

خوشخبری سُناتا ہوں رسول کی، آئے گا میرے بعد، نام ہے اُسکا احمد۔

یہ بھی اسی عالمِ ارواح والے عہد کے مطابق اعلان کیا گیا ہے اگر آپکو ابھی نبوت و رسالت نہیں ملی تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ اعلان کس چیز کا کیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام تو سرکار ﷺ کی آمد سے پونے چھ سو سال پہلے اعلان کر رہے ہیں اور امتی کہتے ہیں آپ ﷺ کو پہلی وحی آنے تک اپنی نبوت کا علم نہیں تھا، جبرائیل علیہ السلام کو دیکھ کر آپ ﷺ خوفزدہ ہو گئے اور آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جایا گیا تو اس نے واقعہ سن کر بتایا کہ آپ ﷺ تو نبی آخر الزماں ہیں، اس کا مطلب ہوا کہ اگر ورقہ بن نوفل نہ بتاتا تو آپ ﷺ کو اپنی نبوت کا علم ہی نہ تھا، مسلمان سوچ یہ کیا کہہ رہے ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اپنی نبوت کا بچپن میں اعلان کریں اور امام الانبیاء ﷺ کو چالیس سال کی عمر تک اپنی نبوت کا علم ہی نہ ہو، ورقہ والا ورقہ ہی پھاڑ دو۔

اسی روایت کو بنیاد بنا کر حال ہی میں برمنگھم (انگلینڈ) میں ایک نوجوان مرتد ہو چکا ہے اور وہ دوسروں کو بھی دین سے ورغلا رہا ہے کہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) نبی ہی نہیں تھے، یہ تو انہوں نے ورقہ سے سن کر پروگرام بنایا تھا، اب دیکھ لیں کہ ہمارا روایتی لٹریچر کیسا کیسا مواد مہیاء کر رہا ہے اور بعض نے

صاف انکار کرنے کی بجائے بالفعل اور بالقوۃ کی بحث نکالی ہے، خدا ہی جانے آگے کیا کیا گُل کھلائیں گے، دوسری طرف محراب ومنبر سے صدائیں بلند ہوتی ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ''

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی یعنی گارے کی حالت میں تھے۔

کیا سمجھے؟ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یاد رکھیں کہ نفسِ نبوت اور ہے جبکہ اعلانِ نبوت اور ہے، ایسا نہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے منصبِ نبوت سے خالی تھے، ایسا خیال و عقیدہ درست نہیں۔

ہماری احادیث کے ذخیرہ میں صحیح احادیث کے ساتھ موضوع روایات کی بھی بھرمار ہے اگرچہ شروع ہی سے علماء و محققین نشاندہی کرتے آئے ہیں اور موضوعات پر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں مگر اس دلدل سے تب تک نکلنا آسان نہیں جب تک ان موضوع روایات کو کتابوں سے نکال نہ دیا جائے یہ علماء سابقین اور محدثین کی شان میں بے ادبی نہیں ہوگی بلکہ مسلمانوں کو بدعقیدہ، منکر حدیث اور مرتد ہونے سے بچانے اور سلف کی خدماتِ دین کو نبھانے کی کوشش ہوگی اور اس کے لئے سب کو مل کر کام کرنا ہوگا اللہ تعالیٰ ہمیں بات کو سمجھنے اور پھر عمل کرنے کی ہمت و توفیق عطاء فرمائے۔

﴿کلامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم﴾

''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی'' (النجم:3)

اور نہیں وہ بولتے خواہشِ نفس سے، نہیں ہے وہ مگر وحی جو کی گئی۔

یہاں سے اخذ یہ کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے تھے جہاں تک احکاماتِ شرعیہ کا تعلق ہے تو بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں بیان فرمایا، ماسوائے وحی کے۔ رہے باقی معاملات تو ان کے متعلق بھی یہ کہا جائے کہ وحی کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات ہی نہیں کی تو اسے ثابت کیسے کیا جائے گا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجالس و گھریلو نشست و برخاست کے لئے جو لب کشائی فرمایا کرتے تھے۔ جب تک جبرائیل امین علیہ السلام آکر نہ کہے کہ کیا کہنا ہے

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش بیٹھے رہا کرتے تھے، کلام ہی نہیں فرمایا کرتے تھے، یہودیوں کی طرف سے جو سوالات کئے گئے تھے تو جبرائیل امین نے کہا تھا کہ ان کو فرمائیں کہ ان کا جواب کل دوں گا، اور پھر کئی دن لگ بھگ ایک ماہ تک جبرائیل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف ہی نہ لائے، اس دوران ہونے والی باتیں کیا کوئی دوسرا فرشتہ آکر بتایا کرتا تھا، جبکہ پھر جبرائیل امین نے آکر پیغام ربانی سنایا تھا کہ اس طرح کی کوئی بھی بات کرتے ہوئے ان شاء اللہ کہہ لیا کریں۔

اسی طرح واقعہ افک کے سلسلہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی دن تک وحی کا انتظار کرتے رہے، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو گفتگو فرمایا کرتے تھے وہ کس وحی پر ہوتی تھی، وحی تو وہ تھی، جس میں حضرت مائی صاحبہ کی برات فرمائی گئی تھی، اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات سے خفاء ہو کر بالاخانہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے تو وہ کس وحی پر تھا وحی تو وہ تھی جس میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا تھا اور اگر ہر بات وحی پر ہی ہوتی تھی تو پھر شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، کا حکم دینے کی کیا ضرورت تھی۔

اور پھر جنگِ بدر کے قیدیوں کا معاملہ کیسے پیش آ گیا، وحی نے آکر تو کچھ اور فرمایا تھا اور منافقین کو اجازت دینے پر عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کہنے کی ضرورت کیوں پڑی، عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھانے پر آئندہ ایسے لوگوں کی قبروں پر جانے اور جنازے پڑھانے پر ممانعت کیوں ہوئی، لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ، کی ضرورت کیوں پیش آئی، اور عَبَسَ وَتَوَلّٰى کہنے کی ضرورت کیوں درپیش آئی۔

ایسا عقیدہ رکھنا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کوئی بات وحی کے بغیر کی ہی نہیں، خلافِ قرآن ہے، سیاق وسباق کے لحاظ سے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" کا تعلق واقعہ معراج سے ہے کہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی شہرت وغیرہ کے لئے بیان کرنا نہیں شروع کر دیا تھا بلکہ بذریعہ وحی بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

﴿حضرت جبرائیل امین اور نبی پاک ﷺ﴾

بعض حضرات جبرائیل امین علیہ السلام کو نبی پاک ﷺ کا استاد کہہ دیتے ہیں، سورۃ العلق کی پہلی آیات جب لے کر جبرائیل امین علیہ السلام تشریف لائے تھے تو آپ ﷺ غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے، فرشتے نے کہا اِقْرَاء یعنی پڑھئے، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، مَا اَنَا بِقَارِیٍ، جس کا عموماً ترجمہ یہ کیا جاتا ہے، کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

جب کہ ترجمہ اصل میں اس طرح سے ہے کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں، کیونکہ فرمانِ عالیہ موجود ہے کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا، مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، تو معلم تو پڑھانے کے لئے آتے ہیں نہ کہ پڑھنے کے لئے، یہ تو اس لڑی کے آخری موتی ہیں، جو عالمِ بالا سے سیکھ کر آتے ہیں، بھیجنے والا خود انہیں سکھا کر بھیجتا ہے، جس پر سابقہ انبیاء کے واقعات قرآن میں شاہد ہیں۔

جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات موجود ہیں، جبرائیل امین علیہ السلام تو پیغام پہنچانے پر مامور تھے پیغام پہنچانے والا استاد تو نہیں بن جاتا، اس طرح تو اکثر لوگ ہمیں بھی پیغام پہنچاتے رہتے ہیں تو کیا وہ ہمارے استاد بن جاتے ہیں؟ سورہ الرحمٰن آیت اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، اس پر شاہد ہے کہ سکھانے والا اللہ تعالیٰ ہے جبرائیل امین صرف پیغام لانے والا ہے۔

﴿کیا شیطان معلمِ ملائکہ تھا؟﴾

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ شیطان فرشتوں کا استاد تھا اس میں شک نہیں کہ شیطان کچھ عرصہ فرشتوں میں رہا ہے مگر وہ فرشتوں کا استاد نہیں ہے اس پر کوئی نص وسند نہیں ہے، اگر اس کو استاد مان لیا جائے تو جبرائیل امین جیسا فرشتہ جسے اللہ تعالیٰ نے مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِین، فرمایا ہے، کس کھاتے میں جائے گا، لہذا اپنی طرف سے عہدے نہیں عطاء کرنے چاہیے، یہ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے جس کو جو مرتبہ چاہے عطاء کرے۔

﴿وھبی نبوت﴾

نبوت رب تعالیٰ کا خصوصی چناؤ اور وہبی ہوتی ہے، اس میں کسب ومجاہدہ، دعا وتوجہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ جو بعض حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نبوت ملی تھی، ایسا نہیں ہے بلکہ نبوت کے چناؤ میں تو وہ پہلے ہی سے تھے، میثاقِ انبیاء میں وہ بھی شامل تھے، جس کا بیان سورہ آل عمران آیت 81 میں ہے۔ اس ہی بناء پر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے انہیں کارِ نبوت میں اپنے ساتھ ملا دیئے جانے کی دعا کی تھی کہ فرعونی اگر میری تکذیب کریں تو ہارون علیہ السلام میری تصدیق کریں گے اور وہ مجھ سے فصیح البیان ہیں، دعا وتوجہ سے اگر مل سکتی ہے تو وہ منشاءِ ربی کے تحت ولایت ہے نہ کہ نبوت، نبوت اس سے بالاتر ہے۔

﴿حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام﴾

موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جو انہیں تکوینیات کا علم اور ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ دیکھنے کے لئے بحکمِ الٰہی گئے تھے نہ کہ سیکھنے کے لئے گئے تھے انہیں جو کام کرنے ہوتے تھے، انکا تعلق علمِ غیب سے تھا جو انہیں منجانب اللہ حسبِ موقعہ ملتا رہتا تھا، اس کے مطابق وہ اپنی ذمہ داری پر گامزن رہتے تھے وہ علم کوئی سیکھنے سکھانے کا نہیں تھا کہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام ان کے پاس سیکھنے کے لئے جاتے، جیسا کہ علمِ غیب والے حصہ میں تحریر کیا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے،

ایسا نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس علم سے کچھ ملا ہی نہیں تھا آپکو بھی وقتاً فوقتاً حسبِ موقعہ محل مطلع کیا جا رہا ہے آیاتِ قرآنی اس پر شاہد ہیں، حصہ علم غیب میں بھی دیکھا جا سکتا ہے لیکن چونکہ امورِ تکوینیات پر فرشتے اور اولیاء مامور ہوتے ہیں، اس لئے انہیں ان کے حلقہِ کار میں آگاہ و مطلع رکھا جاتا ہے اور انبیاء کو جو انکے متعلق خاص امور ہوں ان پر مطلع کیا جاتا ہے۔ بعض جاہل وگمراہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت تھے خضر علیہ السلام کے پاس طریقت سیکھنے کو گئے تھے، ان کو اتنا بھی پتا نہیں کہ طریقت شریعت سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ شریعت پر اخلاص

سے عمل کرنے ہی کا نام طریقت ہے۔ سورہ الجن آیت نمبر 16 وَأَنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ، یعنی طریقت پر استقامت اختیار کرتے تو پتا چلا کہ شریعت میں مرتبہ احسان کے لیے کوشش ہی طریقت ہے۔

قرآن رہے پیشِ نظر شریعت اس کو کہتے ہیں
اللہ رہے پیشِ نظر طریقت اس کو کہتے ہیں

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کشفی کیفیات ہیں حقیقت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوق میں حلول کرنا یا ارواح کا اللہ کی ذات میں مدغم ہونا غیر اسلامی عقیدہ ہے۔

﴿نبی پاک ﷺ پر جادو﴾

جادو میں اثر ضرور ہے اور کسی حد تک انبیاء پر بھی اثر ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ، سورہ طٰہٰ میں ہے کہ جب جادوگروں نے رسیاں اور سوٹیاں میدان میں پھینکیں تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی دوڑتی ہوئی متخیل ہونے لگیں جیسا کہ سانپ بھاگ رہے ہیں، اس حد تک تو بات قابلِ قبول ہے لیکن معاملہ وہاں سے بڑھتا ہے۔

جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کا اثر کئی مہینوں اور سال تک مان لیا گیا ہے اور وہ بھی ان روایات کے زور پر جن میں کسی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک کو متاثر۔ کسی میں یاداشت کو متاثر، کسی میں مردانہ قوت کے متاثر ہونے کا بیان ہے، کسی میں کہا گیا ہے کہ اسے کنوئیں سے نکال لیا گیا تھا کسی میں نہ نکالنے کا ذکر ہے، پہلے ان کے متون میں تو تطبیق دے لو پھر ان روایات کے ساتھ ان آیات کو بھی مدِ نظر رکھو۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا، اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل:47)

نہیں پیروی کرتے مگر ایک مرد جادو کیے گئے کی۔ دیکھو کیسے بیان کیں ہیں آپ کے لئے مثالیں، پس

وہ گمراہ ہوئے پس نہیں استطاعت رکھتے راہ کی۔

اسی طرح سورہ الفرقان آیت 8 اور 9 میں ہے۔ (دعوتِ فکر)

﴿شرح اور شقّ﴾

شرحِ صدر کے معنیٰ سینہ کی فراخی، کشادگی یعنی دل میں نہ برداشت ہونے والی باتوں کو برداشت کر لینے کا حوصلہ۔ شقِ صدر کے معنیٰ سینے کا پھٹنا، چیرنا۔ کتب احادیث میں شقِ صدر سے متعلق روایات ملتی ہیں جو آپس میں مختلف ہیں، انہیں منوانے کے لئے شرحِ صدر والی آیات سے سند لینا سینہ زوری کی عجیب مثال ہے۔

سورہ الم نشرح کی پہلی آیت مبارکہ ''اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ'' سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے وہ صرف ایسی روایات ہیں جن کی آپس میں بھی تطبیق نہیں۔

اسی لئے کوئی دو بار، کوئی تین بار اور کوئی چار بار شقِ صدر مانتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں ہمیں شرحِ صدر عطاء فرمائے۔ آمین

﴿لفظ سید﴾

بعض حضرات بضد ہیں کہ یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جبکہ قرآن پاک میں تین جگہوں پر مخلوق کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورہ آل عمران :39، سورہ یوسف :25، سورہ الاحزاب:67۔

تمت بالخیر

مصنف کی دو جلدوں پر مشتمل معرکہ آراء تفسیر **صوت القرآن** فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے۔

جس کے ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے۔